ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

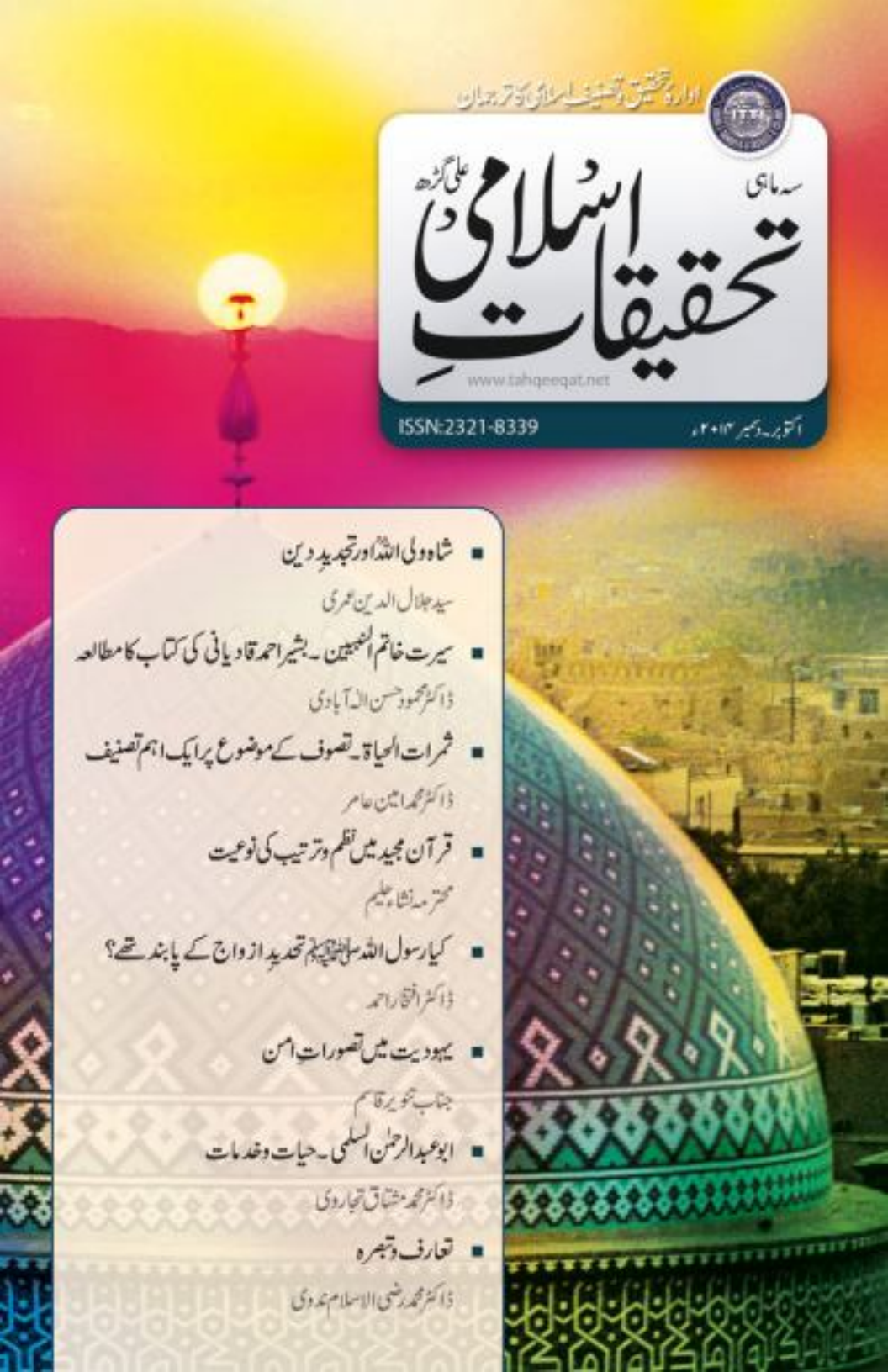

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

www.tahqeeqat.net

ISSN:2321-8339

اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۴ء

- شاہ ولی اللہؒ اور تجدیدِ دین
  سید جلال الدین عمری
- سیرت خاتم النبیین ۔بشیر احمد قادیانی کی کتاب کا مطالعہ
  ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی
- ثمرات الحیاۃ۔تصوف کے موضوع پر ایک اہم تصنیف
  ڈاکٹر محمد امین عامر
- قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت
  محترمہ نشاء حلیم
- کیا رسول اللہ ﷺ تحدیدِ ازواج کے پابند تھے؟
  ڈاکٹر افتخار احمد
- یہودیت میں تصوراتِ امن
  جناب تحریر قاسم
- ابوعبدالرحمٰن السلمی ۔حیات وخدمات
  ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی
- تعارف وتبصرہ
  ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

۲ اہم کتابیں

اسلام کی امتیازی خصوصیات ..... مولانا محمد جرجیس کریمی

اس کتاب میں مصنف نے اسلام کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات کا مطالعہ پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کی خصوصیات اور محاسن کی تلاش اور مطالعہ کا رجحان پیدا ہو اور اس پر ان کا اعتماد و ایمان بھی بحال ہوتا کہ وہ اپنے دین کی حقانیت اور ہمہ گیری کے بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 212 • قیمت: 100.00

حضرت ابراہیمؑ - امامِ انسانیت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داعیانہ زندگی اور دعوتی وتبلیغی جدّ وجہد کا ایک جامع مرقع پیش کیا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی عناصر، ملّتِ ابراہیمی کے حاملین، ملّتِ ابراہیمی سے انحراف، ملّتِ ابراہیمی اور اسلام، نصاریٰ اور ملّتِ ابراہیمی جیسے اہم موضوعات پر محققانہ اور داعیانہ بحث کی گئی ہے۔ ایک ایسی جامع اور تحقیقی کتاب جو ملّتِ ابراہیمی سے متعارف کرانے کے ساتھ اسوۂ ابراہیمی سے بھی روشناس کراتی ہے۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 200 • قیمت: 85.00

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس ۹۳ علی گڑھ۔ ۲

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز D-307 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۴ء

مدیر

سیّد جَلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

www.tahqeeqat.net Email:tahqeeqat@gmail.com

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۳ شمارہ: ۴

ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ ——— صفر ۱۴۳۶ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۴ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کر دیے گئے ہیں
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

فون: 0571-2902034 موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqat_islami@yahoo.com tahqeeqateislami@gmail.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۴۰ روپے
سالانہ	۱۵۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۲۵/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

شاہ ولی اللہؒ اور تجدید دین	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق وتنقید

سیرتِ خاتم النبیین -مرزا بشیر احمد قادیانی کی کتاب کا مطالعہ	ڈاکٹر محمود حسن الہٰ آبادی	۱۱
ثمرات الحیاۃ-تصوف کے موضوع پر ایک اہم تصنیف	ڈاکٹر محمد امین عامر	۲۹

بحث ونظر

قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت	محترمہ نشاء حلیم	۴۳
کیا رسول اللہ تحدیدِ ازواج کے پابند تھے	ڈاکٹر حافظ افتخار احمد	۵۷
یہودیت میں تصوراتِ امن	جناب تنویر قاسم	۷۷

سیر وسوانح

ابوعبدالرحمن السلمی -حیات وخدمات	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی	۹۹

تعارف وتبصرہ

اسلامی فلاحی ریاست	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۱
برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام	،، ،،	۱۱۲
شبلی شناسی کے سو سال	،، ،،	۱۱۳
اسلام اور عصر جدید (خصوصی شمارہ)	،، ،،	۱۱۵
خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۳)	ادارہ	۱۱۶
فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۳، ۲۰۱۴ئ		۱۱۷
مضامین کا انگریزی خلاصہ	،، ،،	۱۲۱-۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی
B-104، بدر منزل، پٹیل نگر، بھیونڈی (مہاراشٹرا)

۲۔ ڈاکٹر محمد امین عامر
101- پیل خانہ، سیکنڈ لین، ہاوڑہ۔ ۷۱۱۱۰۱ (مغربی بنگال)

۳۔ محترمہ نشاء حلیم
ریسرچ اسکالر، شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
tashiya15@gmail.com

۴۔ ڈاکٹر حافظ افتخار احمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیرمین، شعبۂ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور (پاکستان) diftikharahmad@gmail.com

۵۔ جناب تنویر قاسم
لیکچرر، ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونی ورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی، لاہور
tanveerqasim@yahoo.com

۶۔ ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
muftimushtak@gmail.com

۷۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی
mrnadvi@yahoo.com

۸۔ سید جلال الدین عمری
صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

شاہ ولی اللہؒ اور تجدید دین

——— سید جلال الدین عمری

شعبۂ عربی، یونی ورسٹی کالج آف سائنس، سیف آباد، عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد کے زیر اہتمام مؤرخہ ۲۹-۳۰/جون ۲۰۱۳ء، حضرت شاہ ولی اللہ پر دوروزہ سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت محترم مولانا سید جلال الدین عمری نے فرمائی تھی۔ اس موقع پر مولانا نے شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامہ پر جو تحریر پڑھی تھی، اسے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ بعض باتیں مولانا نے موضوع سے متعلق زبانی بھی بیان کی تھیں، مگر وہ قلم بند نہیں ہوسکیں۔ (معاون مدیر)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرتے ہیں:

ان اللہ عز وجل یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدّد لھا دینھا۔[۱]

''اللہ عزّ وجل ہر سو سال کے سرے پر اس امت کے لیے کسی ایسی شخصیت کو پیدا فرمائے گا جو اس کے لیے دین کی تجدید کرے گی۔''

کارِ تجدید مختلف میدانوں میں انجام پاتا ہے۔ ایک میدان علمی اور فکری ہے۔ اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور وہ تمام علوم آسکتے ہیں جن کا دین سے تعلق ہے۔ ان علوم میں بڑے بڑے مجددین پیدا ہوئے۔ بعض شخصیتیں تو وہ ہیں جنھوں نے مختلف علوم میں تجدیدی کارنامے انجام دیے۔

اسی طرح معاشرے میں عقائد میں تزلزل آجائے، اساسات دین میں

۱۔ رواہ ابوداؤد فی الملاحم والطبرانی فی الأوسط وسندہ صحیح ورجالہ کلھم ثقات وکذا صحّحہ الحاکم۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵۰۶-۵۰۸)

انحراف واضمحلال ہو، توحید کی جگہ مشرکانہ اعمال کا غلبہ ہو اور سنت ثابتہ کی جگہ بدعات و خرافات نے لے لی ہو تو اس کی اصلاح بھی تجدیدِ دین ہے۔ امت میں اس طرح کے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں۔

حکومت کو اسلامی رخ دینے اور اسلامی خطوط پر قاءم رکھنے کی جدوجہد بھی کارِتجدید ہے۔ اس کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دور آخر میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مساعی میں ملتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شمار ان مجددین امت میں ہوتا ہے جنھوں نے اسلامی علوم میں تجدیدی کارنامے انجام دیے۔ شاہ صاحب اپنے دور کے فکری اور عملی بگاڑ سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بگاڑ کے سوتے کہاں سے پھوٹ رہے ہیں اور زندگی کے کن گوشوں کو ماحول کے فساد نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے چاروں طرف عوام الناس، علماء، مشائخ، با اقتدار گروہ عام طور پر اللہ کے دین کو فراموش کر چکے ہیں اور دین داری ہے بھی تو رسمی دین داری ہے۔

کم زوریوں اور خامیوں کی نشان دہی کرنا، جب کہ ہر طرف ان کا غلبہ ہو اور خامیوں نے خوبیوں کی جگہ لے لی ہو، ایک مشکل کام ہے۔ اس کے لیے وقت کے فکری و عملی دھارے کے خلاف سوچنے کی صلاحیت چاہیے، لیکن اس سے زیادہ بڑا اور دشوار تر عمل یہ ہے کہ مرض کی تشخیص کے ساتھ علاج بھی تجویز کیا جائے اور بتایا جائے کہ خامی کہاں ہے اور اسے کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟ حضرت شاہ صاحب نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہی کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے نشان دہی کی کہ معاشرہ کے کس طبقہ میں اور زندگی کے کس گوشہ میں بگاڑ ہے اور اسلام کی ہدایات کیا ہیں؟ یہ در اصل پورے معاشرے کو اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت تھی۔

اسلام نے عقائد پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، اس کی بنیاد پر وہ پورا ایک نظام شریعت بھی عطا کرتا ہے، جو عبادات، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست و حکومت غرض پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ شاہ صاحب اس پورے

قانونِ شریعت سے بحث کرتے ہیں۔

شاہ صاحب اسلام کی صداقت اور اس کے برحق ہونے کے دلائل دیتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، رسولوں کی ہدایت و رہ نمائی اور انسانوں کے لیے اس کے احتیاج اور جزائے اعمال جیسے عقائد کو تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔ اسلام عقیدہ اور فکر کے ساتھ دنیا کی کام یابی اور اخروی فلاح کے لیے ایک پورا نظام دیتا ہے۔ اس میں مادی ضروریات کی تکمیل اور روح کی تسکین دونوں کا سامان موجود ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں اس حقیقت کو بہت خوبی سے واضح کیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ میں حضرت شاہ صاحب نے 'ارتفاقات' سے بحث کی ہے۔ انسان کی کچھ مادی ضروریات ہیں۔ ان میں کھانا، کپڑا اور رہائش جیسے امور آتے ہیں۔ اسے سماج میں اپنا کردار ادا کرنے، بلکہ اپنا وجود باقی رکھنے کے لیے بھی ان کی تکمیل ضروری ہے۔ اس کے ساتھ بعض اور امور کی طرف بھی انھوں نے توجہ دلائی ہے۔ جیسے انسان کے معیار زندگی میں دیہاتی زندگی اور شہری زندگی کا فرق ایک واقعہ ہے۔ پھر انسان خاندان کے ساتھ ہوتا ہے اور وسیع معاشرے کا جز ہوکر معاشی جدّوجہد کرتا ہے۔ اس پوری جدوجہد میں اس کے لیے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ انھوں نے تلاشِ معاش کی مشروع اور غیر مشروع صورتیں بھی وضاحت کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اس کے ساتھ وہ اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں کہ بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے، اس کے لیے ریاست کا قیام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے جو ہدایات دی ہیں، شاہ صاحب نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

شاہ صاحب نے ارتفاقات سے بحث کے ساتھ انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی اور اس کے اعلیٰ مدارج کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔ شریعت نے اسے احسان سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے احسان کے ذیل میں طہارت، نماز، تلاوتِ قرآن، ذکر و دعا کی روح اور اللہ کی یاد میں استغراق کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس میں کمی ہو تو اس کا سبب تلاش کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس راہ کے موانع اور رکاوٹوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کی

اصلاح کی تدابیر بتائی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہندوستان میں مسلم دورِحکومت میں پیدا ہوئے، اس میں نشو ونما پائی اور تعلیم وتعلم سے وابستہ رہے، لیکن یہاں کے عوام کی اسلام سے دوری، ان کا اخلاقی زوال، بادشاہوں کی باہمی کش مکش، نفس پرستی، اسلامی شعائر کا عدم احترام، اسلامی عبادات سے غفلت اور اسلامی حدود وتعزیرات کے عدم نفاذ کے باعث اسے اسلامی حکومت نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ اس پس منظر میں وہ زندگی کے تمام معاملات میں دین کی اقامت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے۔

شاہ صاحب نے ایک جگہ اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ انسان کے اندر سے بہیمیت اور حیوانیت نکال کر روحانیت اور ملکوتیت کیسے پیدا کی جائے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کا دارومدار چار صفات یا چار اصول پر ہے۔ وہ اصول یہ ہیں:

۱۔ طہارت: بہت سے معاملات میں آدمی فطری طور پر خود کو ناپاک محسوس کرتا ہے۔ اس حالت یا کیفیت سے نکلنا طہارت ہے۔

۲۔ اخبات: یعنی اللہ تعالیٰ سے غفلت کا دور ہونا اور اس کی طرف متوجہ ہونا۔ تذکیر وتفہیم اس میں معاون ہوتی ہے۔

۳۔ سماحت: اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی پر پست اور رذیل جذبات کا غلبہ نہ ہو اور اس کے اندر سخاوت، عفّت اور پاک بازی، صبر، تقوی اور طہارت جیسی اعلیٰ اخلاقیات پائی جائیں۔

۴۔ عدالت: اس سے وہ ملکہ اور قوت وصلاحیت مراد ہے جس سے انسان ایسے اقدامات کے قابل ہوتا ہے کہ وہ خاندان، قبیلے اور مملکت کا نظام عدل وانصاف کی بنیاد پر چلا سکے۔

شاہ صاحب نے ان اصطلاحات کو بہت وسیع معنی میں استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انبیاء کی بعثت ان ہی کے لیے ہوتی ہے، شریعتیں اس کی تفصیل فراہم کرتی ہیں۔ ان صفات کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو اقامت دین اور لوگوں کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لے جانے کے لیے مبعوث فرماتا ہے تو جو شخص اس نور کو پھیلانے میں تگ ودو کرے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے اور جو کوئی اسے ختم کرنے کی سعی کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون قرار پاتا ہے اور اس کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے۔''[۱]

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہر قوم کا ایک طریقۂ حیات ہوتا ہے۔ ایک شریعت ہوتی ہے، جس کے پیچھے اس کا ماضی ہوتا ہے، اس کی نصرت وحمایت کو وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ لیکن یہی چیز قوموں اور ملکوں کے درمیان اختلاف اور نزاع کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی بنیاد پر خون خرابہ ہونے لگتا ہے اور حقیقت پردۂ خفا میں چلی جاتی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ کوئی امام عادل ان اختلافات کو ختم کرکے صحیح راہ دکھائے اور ظلم و زیادتی سے باز رکھے۔ یہی کارنامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام پایا۔

آپ کی بعثت کے وقت دو بڑی مملکتیں موجود تھیں: ایک سلطنتِ کسریٰ، جس کا اقتدار عراق، یمن، خراسان اور ان کے اطراف تک پھیلا ہوا تھا۔ ماوراء النہر اور بادشاہانِ ہند بھی اسے خراج ادا کرتے تھے۔

دوسری سلطنت قیصر کی تھی، جو شام، روم اور اس سے ملحقہ علاقوں میں قائم تھی۔ مصر، مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اس کے ماتحت اور باج گزار تھے۔ اس طرح ساری دنیا بڑی حد تک ان مملکتوں کے تابع تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کا اقتدار ختم ہوا اور دنیا کو عدل وانصاف پر مبنی نظام ملا۔ اس کے لیے آپ نے اس قوم کو دعوت دی جس میں آپ کی بعثت ہوئی تھی، اس کا تزکیہ کیا، اسے اخلاقی بلندی پر پہنچایا، اسے ایک امت کی شکل دی، پھر اس امت کے ذریعہ قیصر و کسریٰ کے اقتدار کو ختم کیا اور اسلام کا نظامِ عدل نافذ کیا۔ اس میں ان مملکتوں کی مفید اقدار کو باقی بھی رکھا۔ آخر میں فرماتے ہیں:

ونزل الحق الدامغ لباطل جميع الأرض فی دمغ باطل العرب

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ئ: ۱/ ۱۰۶

بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم و أصحابہ و دمغ باطل ھذین الملکین بالعرب و دمغ سائر البلاد بملتھما و للہ الحجۃ البالغۃ۔[۱]

''حق نازل ہوا، جس نے پورے روئے زمین کے باطل کو مٹا دیا۔ عرب کے باطل کا خاتمہ نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے ذریعے ہوا۔ روم و ایران کے باطل کا خاتمہ اہل عرب کے ہاتھوں ہوا، پھر ان دونوں کے ذریعے دیگر تمام ممالک کے باطل کا خاتمہ ہوا اور غالب رہنے والی حجت صرف اللہ کی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی بےنظیر کتاب 'ازالۃ الخفائ' میں خلافت کا تصوّر واضح کیا ہے اور اسلامی حکومت کا نقشہ پیش کیا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے ان لوگوں کے خیالات کی تردید کی ہے جو خلافت راشدہ کے تسلسل کو تسلیم نہیں کرتے اور جن کے نزدیک حضرت علیؓ کے علاوہ باقی خلفائ، خاص طور پر شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کی خلافت کا جواز نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے قرآن و حدیث کے دلائل سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت فراہم کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سچے جانشیں تھے اور جس مقصد کے لیے آپ کی بعثت ہوئی تھی اسی کو انھوں نے آگے بڑھایا اور ان کی کوششوں سے اسلام پورے عالم میں پھیلا اور اقتدار قائم ہوا۔

دوسری طرف انھوں نے خلفائے راشدین، خاص طور پر شیخین کے ذریعہ جو عادلانہ نظام سیاست وجود میں آیا اس کی وضاحت کی ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک مسلم ریاست کو کس طرح کی ریاست ہونا چاہیے۔ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے وہ کس طرح نظام عالم چلا سکتی ہے۔

☆☆☆

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۲۲۲

تحقیق وتنقید

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرزا بشیر احمد قادیانی کی کتابِ سیرت کا مطالعہ

——— ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی

مرزا بشیر احمد قادیانی ہیں اور امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قادیانی اسلام سے خارج ہیں۔ اس کے باوجود سیرت پر انھوں نے جو کتاب لکھی ہے اس میں بہت سی مفید باتیں آ گئی ہیں اور بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اس پہلو سے فاضل مضمون نگار نے اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اور مصنف سے کسی مسئلے کی وضاحت میں غلطی ہوئی ہے تو اس کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔ (جلال الدین)

بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تاریخ بڑے نشیب و فراز سے گزری ہے۔ سیاسی طور سے یہ مسلمانوں کے زوال کی صدی ہے۔ اس کی پہلی چوتھائی کے آخر (۱۹۲۴ئ) میں خلافت اسلامی کی تنسیخ ہوئی اور دوسری چوتھائی کے آخر (۱۹۴۸ئ) میں فلسطین میں ایک ناجائز یہودی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس صدی کا پہلا نصف یورپ کی استعماریت اور دوسرا نصف امریکہ کی ترک تازیوں سے عبارت ہے، لیکن یہی وہ صدی ہے جس میں دنیا کے مختلف حصوں میں احیائے اسلام کی بہت سی تحریکیں اٹھیں اور وہ اسلامی لٹریچر تیار ہوا جس نے اہل مغرب کے فکری تسلّط کے تار پود بکھیر دیے۔ اس صدی کے ربع اول کا تاریخ ساز کارنامہ یہ ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چند ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جنھیں سیرت کے عالمی ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان میں اہم ترین تصنیفات علامہ شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی 'سیرۃ النبی' ۱؎، قاضی سلیمان

منصور پوریؒ کی 'رحمۃ للعالمین' ۲؎ اور مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوریؒ کی 'اصح السیر' ہیں۔ ۳؎ جن کی مختلف جلدیں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۷ء کے درمیان طبع ہوئیں۔ اسی عرصہ میں ایک قادیانی (مرزا بشیر احمد) کے قلم سے سیرت کی ایک اور کتاب 'سیرت خاتم النبیین ﷺ' کے نام سے منظر عام پر آئی۔ اس وقت اسی کتاب کا مطالعہ مقصود ہے۔

'سیرت خاتم النبیین ﷺ' کا پہلا حصہ ۱۹۲۰ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۳۰ء میں قادیان سے شائع ہوا۔ اس کے تیسرے حصہ کی اشاعت ۱۹۴۹ء میں ربوہ (پاکستان) سے ہوئی ہے۔ لیکن یہ کتاب اب بھی مکمل نہیں ہے، بلکہ اس میں رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے ۷ھ تک کے ہی واقعات ہیں۔ بعد کے واقعات کی ایک فہرست مصنف نے آخر میں درج کردی ہے، تاکہ اس کی بنیاد پر بعد میں وہ خود یا کوئی دوسرا اس کام کی تکمیل کر سکے۔ راقم کو اس کے پہلے حصہ کی اشاعت اول کا ایک سال خوردہ اور قدیم نسخہ مولانا ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب کی توجہ اور عنایت سے حاصل ہوا۔ مطالعہ کرنے پر اندازہ ہوا کہ یہ کتاب اہم ہے اور اس میں ان تمام امور سے بحث کی گئی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے عقائد، ایمانیات اور احکام سے ہے۔ جماعت احمدیہ کے مرکز ممبئی سے پوری کتاب (جو ایک ہی جلد میں ہے) حاصل ہوگئی۔ اس میں صفحہ ۲ کی تصریح کے مطابق یہ کتاب ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۶ء تک تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ تقابل سے معلوم ہوا کہ یحییٰ نشیط صاحب کے ذریعے موصولہ کتاب کے حصہ اول (مطبوعہ ۱۹۲۰ئ) اور موجودہ مکمل نسخہ کے درمیان کچھ فرق ہے۔ نسخۂ اول میں جلی حروف کی کتابت کے ساتھ صفحات کی تعداد ۲۵۶ ہے جب کہ نسخۂ جدید میں خط خفی میں اس حصہ کے صفحات کی تعداد بھی ۲۵۶ ہے۔ اس فرق کے دو اسباب ہیں: مصنف کی تصریح کے مطابق پہلے حواشی میں حوالے نہیں تھے، جب کہ بعد کی اشاعت میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بعد کے مکمل نسخے کے شروع میں تاریخ اسلام کے ابتدائی مآخذ کے عنوان سے چالیس صفحات کا ایک طویل مقدمہ اور جزیرۃ العرب کا ایک نقشہ ہے۔ اشاعت اول میں یہ مقدمہ 'عرض حال' کے عنوان سے صرف چار صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف

نے تاریخ وسیرت کی ان کتابوں کے نام درج کیے ہیں جن پر انہوں نے اعتماد کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔ واقعات کی قبولیت یا عدم قبولیت کے لیے ان کا اعتماد روایتوں کی اسنادی اور درایتی قوت پر ہے۔ انہوں نے جن اولین کتبِ سیر وتاریخ پر اعتماد کیا ہے وہ ہیں: ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری اور واقدی (اگرچہ واقدی پر انہوں نے جرح بھی کی ہے)۔ متأخرین میں زرقانی (شرح مواہب اللدنیہ)، ابن اثیر (الکامل نیز اسد الغابۃ) کے علاوہ علامہ شبلی (سیرۃ النبی) بھی ہیں۔ معجم البلدان اور سیرۃ حلبیہ سے بھی انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ 'رحمۃ للعالمین' کا ذکر انہوں نے کہیں نہیں کیا۔

یہ فہرست بعد کے اڈیشنوں میں بہت مفصل ہے۔ مصنف نے شعرائے جاہلیت کے کلام اور قرآن کریم سے استفادہ کے اعتراف کے ساتھ قرآن کے مکمل اور محفوظ ہونے پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں مستشرقین کی آراء بھی نقل فرمائی ہیں۔ تاریخ اسلام کے بنیادی مآخذ پر گفتگو کرتے ہوئے وہ روایت کے طریقوں اور روایت و درایت کے اصولوں پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ یہ بحث علامہ شبلی کی 'سیرۃ النبی' کے علاوہ مولانا داناپوری کی اصح السیر میں بھی ہے۔ ہوسکتا ہے، مصنف کو اس بحث کی شمولیت کی تحریک وہیں سے ہوئی ہو۔ مرزا بشیر احمد نے قرآن اور حدیث سے درایت کی کچھ مثالیں دی ہیں اور درایت کے بعض کم زور پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمان محققین کی دیانت داری کو سراہا ہے۔ ان کی یہ بحث سر ولیم میور کے جواب میں ہے۔ اس کے بعد وہ حدیث اور سیرت کی روایتوں کے بنیادی فرق پر گفتگو کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تاریخ ومغازی کے مقابلہ میں حدیث کی حفاظت میں زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ مصنف نے اصول حدیث کی کتابوں میں 'موضوعات' کو شامل رکھا ہے اور مصطلحات حدیث کی اقسام بیان کی ہیں۔

اسماء الرجال کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے مصنف نے اس موضوع کی سات کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔ ان میں امام بخاری کی 'تاریخ کبیر'، 'تاریخ صغیر' اور 'تاریخ اوسط' کے نام نہیں ہیں۔ کتب حدیث میں پندرہ کتابوں کے ایک جدول کے ساتھ ہی وہ

سنت اور حدیث کا فرق بتاتے ہیں ۔ واضح رہے کہ سنت اور حدیث کی تعریف میں علمائے اسلام کے کئی گروہ رہے ہیں ۔مشہور ترین گروہ دو ہیں : ایک وہ جو سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اور حدیث کو روایتوں میں محدود قرار دیتا ہے، جب کہ حافظ ابن الصلاحؒ اور ان کے گروہ کے لوگ سنت ، حدیث ،خبر اور اثر میں کوئی فرق نہیں کرتے ۔ مصنف نے احادیث کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے بعد اسے ادلّہ اصولیہ میں سمجھتے ہیں اور لیکن صحیحین کا درجہ ان کے نزدیک بھی معتبر ترین ہے ۔

تفاسیر ماثورہ کے ذیل میں انہوں نے تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور جلالین کے نام لیے ہیں ۔ سیرت و تاریخ کی ابتدائی کتب میں انہوں نے ایک جدول میں چودہ کتابوں اور ان کے مصنفین کے علاوہ ان کتب کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے ۔ چوں کہ یورپی مصنفین نے واقدی کو بہت نوازا ہے، اس لیے مصنف نے اس کی کذب بیانی ثابت کرنے کے لیے سولہ جلیل القدر محدثین کی جرحوں کا ایک جدول بھی تیار کر دیا ہے ۔ پھر سیرت و تاریخ کی چھ کتابوں کے جدول کے ساتھ خلاصۂ بحث میں علی الترتیب قرآن ،تفسیر، حدیث اور کتبِ سیرت و تاریخ اور مغازی کو اپنے لیے بطور مصدر و ماخذ کے مخصوص کیا ہے۔ اس مفصل مقدمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصنف کے نزدیک بھی مآخذ کے اعتبار سے وہی کتب معتبر ہیں جنھیں جمہور مسلمان معتبر سمجھتے ہیں ۔

سوانح اور سیرت نگاری میں ایک لطیف فرق ہے ۔سوانح نگاری میں واقعات زندگی کے علاوہ سیرت کا بیان جزوی طور سے ہوتا ہے، جب کہ سیرت میں سوانح کے اختصار کے باوجود سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر مفصل گفتگو ہوتی ہے۔ لیکن چوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سیرت و اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئی تھی، اس لیے آپؐ کے اخلاق کے جملہ پہلوؤں پر گفتگو ناگزیر ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بقول آپؐ قرآن کریم کا مجسم نمونہ تھے، اس لیے قرآن کریم میں فضائل اخلاق کے جتنے اوصاف بیان ہوئے ہیں، آپ کی سیرت میں ان کا احاطہ کرنا لازم ہے

۔ تمام سیرت نگاروں نے آپؐ کی سیرتِ حسنہ کا بیان سوانح حیات کے ساتھ اپنے اپنے انداز میں کیا ہے ۔ زیر نظر کتاب میں آپؐ کے اخلاق حسنہ اور اس سے متعلق دیگر تفصیلات واقعات کی ترتیب کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ چوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کے معاملے میں سیرت نگاروں کے درمیان کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے، اس لیے اس مقالہ میں صرف ان مباحث کا جائزہ لیا گیا ہے جو آپؐ کی سیرتِ گرامی سے متعلق ہیں اور جن پر یا تو سیرت نگاروں کے درمیان جزوی اختلاف ہے یا پھر غیروں نے ان پر اعتراضات کیے ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی سے متعلق ہے۔ اس کی ابتدا نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے ہوئی ہے، جو عبداللہ کے صلب سے بطنِ آمنہ میں منتقل ہوا تھا۔ یہ روایتیں 'میلاد نامہ' اور 'نور نامہ' جیسی کتابوں سے تعلق رکھتی ہیں اور محدثین کے نزدیک موضوع ہیں ۔مصنف کے نزدیک ان روایات کو قبول کرنے کا سبب غالباً یہ ہے کہ ان کے مسیح موعود مرزا غلام احمد بھی اسی انتقالِ نور کی آخری کڑی ہیں، ورنہ انھوں نے آپؐ کی پیدائش کے وقت قصرِ کسریٰ کے کنگروں کے گرنے اور آتش کدۂ فارس کے بجھ جانے والی روایات کو جرح و قدح سے خالی نہیں بتایا ہے، یہاں تک کہ آپؐ کا مختون پیدا ہونا بھی مصنف کے نزدیک مستبعد نہیں ہے (ص ۷۱) لیکن انھوں نے شق صدر کے واقعہ کو ناقابلِ قبول بتایا ہے۔ (ص ۷۵)۔ یہ حیرت کی بات اس لیے ہے کہ موصوف نے معجزات کا انکار کہیں نہیں کیا ہے۔ اسی طرح بحیرا راہب والی روایت بھی ان کے نزدیک مجروح ہے (ص ۸۲) ۔ اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول نہیں کیا ہے۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے نصب کرنے کو مصنف نے ایک نکتہ پیدا کر کے زبور میں ذکر کردہ 'کونے کا پتھر' سے تشبیہ دی ہے (ص ۹۵)۔ انھوں نے بخاری کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی رائے نقل کی ہے کہ 'آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر خود خلیفہ مقرر کرتے تو پہلے ابوبکرؓ کو کرتے پھر عمرؓ کو'۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ 'خلافت' کوئی مسئلہ نہیں تھا، لوگوں نے بعد

میں اسے مسئلہ میں تبدیل کر دیا'۔ نبی کریم ﷺ سے قریش کی مخالفت کے مصنف نے سات اسباب بتائے ہیں، جو یہ ہیں: (۱) ان کی بت پرستی (۲) رسوم پرستی (۳) عادات و اخلاق کی مغایرت (۴) تقلید آباء (۵) تکبر (۶) اکابرین کا صاحبِ مال ہونا (۷) تولیت کعبہ کے چھن جانے کا اندیشہ۔

مصنف نے بہت سے ائمۃ الکفر کے نام خصوصیت سے گنائے ہیں۔ آل یاسر کی بے طرح آزمائشوں کے ساتھ ہی دیگر غلاموں نیز آزاد خاندان کے نوجوانوں پر قریش کے مظالم کے ذکر سے دعوت دین کی مخالفت میں شدت کا اظہار ہوتا ہے (ص ۱۳۸ تا ۱۴۵)۔ واضح رہے کہ ہجرت حبشہ کے باب میں مصنف نے تلک الغرانیق العلیٰ والی روایت کو غلط ثابت کیا ہے (طبع قدیم میں یہ قصہ حاشیہ میں ہے [ص ۱۵۹، ۱۶۰] لیکن طبع جدید میں اسے متن کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے)۔ واضح رہے کہ اس روایت کی صحت کو کسی بھی محدث نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد مصنف نے شق القمر کے معجزہ کو قرآن اور احادیث سے مبرہن کرنے کے باوجود اسے حقیقت کے بجائے نظر بندی کے مماثل ٹھہرایا ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح کے ذیل میں دو مباحث ہیں: ایک کثرتِ ازدواج اور دوسرے طلاق۔ مصنف نے ان دونوں مسائل پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور سرسیدؒ کی طرح معاندینِ اسلام کے اعتراضات کے شافی جوابات دیے ہیں (ص ۱۹۳، ۱۹۴)۔ اسی سیاق میں انھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے: ''النکاح من سنتی، فمن رغب عن سنتی فلیس منی''۔ واضح رہے کہ یہ دو احادیث کے ٹکڑے ہیں، جنہیں بالعموم خطبۂ نکاح میں ضم کر کے پڑھ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے مسئلہ میں بھی انہوں نے قدرے تفصیل سے کلام کیا ہے (یہ بحث مع تعدد ازدواج جلد اول میں صفحہ ۱۷۵ سے ۱۸۰ تک اور جلد دوم میں صفحہ ۴۲۲ سے ۴۳۲ تک پھیلی ہوئی ہے)۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر دس سال تھی۔ اگر بالفرض یہ عمر نو سال بھی ہو تو ان کے نزدیک اس سے کوئی قباحت لازم نہیں

آتی اور مستشرقین کے لیے اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ 'سیرت عائشہ' میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی یہی دلیل دی ہے۔

طائف سے واپسی کے سفر میں مصنف نے جنوں کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسیدؒ کے برخلاف قادیانی جنوں کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن انہوں نے بعض احادیث اور سیرت کی کتابوں کے حوالہ سے اسراء اور معراج کو ایک دوسرے سے الگ ثابت کیا ہے اور اسے بجائے جسمانی کے روحانی سفر بتایا ہے، حالاں کہ منکرینِ حدیث کے علاوہ مسلمانوں کے تمام فرقے معراج کو جسمانی مانتے ہیں اور مرزا صاحب ہی کے پیش کیے گئے مصادر کی بنیاد پر وہ بالکل متضاد استدلال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا سوادِ اعظم حضرت عائشہؓ کی حدیثِ معراج کو ان کا مغالطہ قرار دیتا ہے۔ مرزا صاحب کائنات پر تصرفِ الٰہی کے قائل ہونے کے باوجود حقائق کی بنیاد پر اسراء اور معراج کو جسمانی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کے دلائل سے ان دونوں اسفار کا الگ الگ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ (کتاب کے طبع جدید میں یہ بحث صفحہ ۱۸۹ سے ۲۰۸ تک پھیلی ہوئی ہے) اس بحث میں مصنف نے پہلی اور آخری بار سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) سے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''یعنی محمدؐ صرف رسول ہی نہیں، بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں'، جن کی مہرِ تصدیق سے انسان کو ہر طرح کے اعلیٰ ترین روحانی انعامات مل سکتے ہیں اور کوئی روحانی مرتبہ آپؐ کے اتباع کی رسائی سے باہر نہیں ہے'' (ص: ۲۰۳)۔

اس طرح وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی رسالت کو رسالتِ محمدیؐ کی مہر سے مصدّق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہوئے خود کو رسول اللہ ﷺ کا ظلّی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ

بھی کیا ہے۔

واقعۂ معراج سے متصل مصنف نے نماز کی فرضیت اور زکوٰۃ ونماز کی مصلحتوں پر گفتگو فرمائی ہے اور مستشرقین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ اس کے بعد وہ سلطنت ہائے روم و فارس کی باہمی جنگ اور اس کے تعلق سے آں حضور ﷺ کی پیشین گوئی کو پیش کرتے ہیں، جس کا ذکر سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں میں ہے۔ ہجرت کے ذیل میں مصنف نے قریش کی مشاورتی میٹنگ میں شیخ نجدی نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل انہوں نے نہیں دی، لیکن صاحب 'الرحیق المختوم' مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے بتلایا ہے کہ شیخ نجدی کے بھیس میں خود شیطان مشورہ دینے کے لیے آیا تھا۔

جلد اول کے اختتام پر مصنف نے چند اور مباحث کا اضافہ کیا ہے، جیسے مدتِ قیام مکہ اور سنینِ نبوی و ہجری، جس کی ابتدا بالترتیب عام الفیل اور ہجرت نبویؐ سے ہوتی ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے اس بحث میں مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مرزا صاحب نے تفصیل کے ساتھ نزول وحی کی حقیقت، جمع قرآن، ترتیب نزولی، ترتیب تلاوت اور مکی و مدنی سورتوں کے فرق کی طرف اشارے کیے ہیں۔ یہ تمام باتیں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ نزول وحی کی حقیقت کے ذیل میں نبوت کے ارتقاء پر بھی گفتگو کی گئی ہے، جس کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوتی ہے۔ چوں کہ تبلیغ میں تدریج بھی مقصود ہوتی ہے، اس لیے مکی زندگی میں صرف عقائد اور عبادات سے تعرض کیا گیا ہے۔

جلد اول کی ابتدا ایک 'مقدس یادگار' سے ہوئی ہے، جو بعینہٖ درج ذیل ہے:

> ''حضرت اقدس حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود جری اللہ فی حلل الأنبیاء علیہ و علیٰ مطاعہ محمد الصلوٰۃ والسلام، جن کی بعثت کے ذریعہ اس زمانہ میں اللہ کے حکم سے دوبارہ جمالِ محمدی کا ظہور ہوا، از طرف: احقر الخدام خاکسار مرزا بشیر احمد، قادیان، مورخہ ۱۴ رشوال ۱۳۳۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۲۰ء''

جلد دوم میں عرض حال کے تحت مصنف نے جن لوگوں کا شکریہ ادا کیا ہے ان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز شامل ہیں، جنہوں نے مصنف کے مطابق ''کمال مہربانی سے اپنا نہایت قیمتی وقت خرچ کر کے حصہ دوم کے مسودہ کا بیش تر حصہ ملاحظہ فرمایا اور وقتاً فوقتاً اپنے بیش قیمت ارشادات سے مستفیض ہونے کا موقعہ عطا کیا''۔

اس جلد (دوم) کی ابتدا میں مدینہ کے جغرافیائی حالات اور آبادی (مسلمان، یہود اور عام منافقین وغیرہ) کا تذکرہ ہے۔ مدینہ ہی میں اذان کی ابتدا ہوئی اور نماز کی چار رکعتیں فرض ہوئیں۔ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ کے ذریعہ جہاد کی اجازت مسلمانوں کو مدینہ ہی میں دی گئی۔ اس جگہ مصنف نے جہاد کے مسئلہ پر بہت تفصیلی بحث کی ہے، جو کتاب کے صفحہ ۲۸۷ سے ۳۱۳ تک پھیلی ہوئی ہے۔ جہاد اور آداب جہاد پر بحث کو انھوں نے پچاس نکات میں سمیٹا ہے اور احتیاط کی چار مزید تدبیریں بھی بتلائی ہیں۔ یہ بحث کتاب کے صفحہ ۳۱۵ سے ۳۲۳ تک ممتد ہے۔ چوں کہ مرزا غلام احمد اس سے قبل جہاد کو منسوخ قرار دے چکے تھے، اس لیے مصنف نے حسبِ توقع جہاد کو صرف دفاعی تدبیر قرار دیا ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے بھی تمام غزوات وسرایا کو دفاعی ثابت کیا ہے۔ دراصل اقدامی جہاد کا جو اسلامی اصول ہے وہ احتیاطی (pre-emptive) ہونے کی وجہ سے دفاعی ہی کہلاتا ہے۔ جنگِ بدر میں شرکت کے لیے جو لشکر مدینہ سے نکلا تھا اس کے مقصد کے سلسلہ میں محققین کے درمیان اختلاف ہے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ لشکر کا اصل مقصد کفار قریش سے مقابلہ کرنا تھا، لیکن مصنف نے قرآنی آیات سے متفرّع سات دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلامی لشکر در اصل قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے نکلا تھا، لیکن چوں کہ ابوسفیان کترا کر قافلہ کو نکال لے گیا تھا، اس لیے مجبوراً اس کو مشرکین مکہ سے جنگ کرنی پڑی۔ اس سلسلہ میں سورۂ انفال کی آیات ۶ تا ۸ دلیل قاطع ہیں۔ جہاد پر اعتراضات کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

''اوپر کی بحث میں ہم نے عام طور پر صرف دفاع اور خود حفاظتی کا ذکر

کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کی ابتدا زیادہ تر اسی غرض کے ماتحت ہوئی تھی، جیسا کہ قرآنی آیات سے ظاہر ہے اور باقی اغراض بعد میں آہستہ آہستہ حالات کے ماتحت پیدا ہوتی گئیں'' (ص: ۳۱۵)۔

جنگوں ہی کی وجہ سے ماضی میں غلامی کا مسئلہ پیدا ہوتا رہا تھا، اس لیے مصنف نے غلامی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اور بجا طور سے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے غلاموں کی حالت بہتر بنانے کے علاوہ انہیں آزاد کرنے اور مستقبل میں اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے قوانین بنائے۔ آئندہ غلامی کو روکنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی اس میں مثبت اور منفی دونوں دلائل پائے جاتے ہیں (ص ۴۰۶)۔ اسی ذیل میں لونڈیوں سے نکاح کے بعد یا بدون نکاح تمتّع کرنے کے سلسلے میں ان کا رجحان بدون نکاح کی طرف ہے، لیکن وہ نازک مسائل پر فیصلہ دینے کے بعد **واللہ اعلم** کا فقرہ استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال یہ موضوع چوں کہ معاندین اسلام کی طرف سے اکثر طعنہ کا موجب رہا ہے، اس لیے مصنف نے اس پر بہت تفصیل سے بحث کرتے ہوئے قوانینِ اسلامی کا دفاع کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی، ان کی عمر اور تعدد ازدواج کے ذیل میں مصنف نے اسی گفتگو کا اعادہ کیا ہے جو وہ کتاب کی جلد اول میں کر چکے ہیں۔ عصماء اور ابوعفک کے قتل کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ روایتیں درست نہیں ہیں، لیکن اگر درست ہوں تو بھی قانوناً واجب القتل ہونے کی وجہ سے ان کا قتل قابل اعتراض نہیں (ص ۴۵۱)۔ جنگ احد کے بعد مردم شماری ہوئی، اس میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ سو تھی۔ مردم شماری کا ذکر تقریباً تمام ہی سیرت نگاروں نے کیا ہے۔

غزوۂ بنونضیر کے اسباب کے بارے میں سیرت کی روایتوں میں اختلاف ہے۔ سورۂ حشر کی آیت نمبر ۵ میں آیا ہے کہ 'کھجور (لینة) کے درخت جو تم (رسولؐ) نے کٹوائے یا چھوڑ دیے، یہ اذن الٰہی کے مطابق تھا'۔ اس آیت میں لفظ 'لینة' کی تحقیق کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ ادنیٰ قسم کی کھجور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مصنف نے وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيلًا (المزمّل: ۴) کی تشریح میں یہ انوکھا نکتہ پیدا کیا ہے کہ قرآن جتنے دنوں میں نازل ہوا، اگر اس کا تناسب نزول یومی کے حساب سے نکالا جائے تو ایک دن میں ۰ئ۷ آیت کا اوسط نکلتا ہے۔ یہ ترتیب نزولی کے بارے میں وہ نکتہ ہے جو کسی سیرت نگار کو نہیں سوجھا۔ ترتیب تلاوت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''اس کی ترتیب عام کتاب کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس جسمانی عالم کے اصول پر ہے جس میں معانی کی بے شمار گہرائیاں مخفی ہیں اور ان گہرائیوں میں ربط و اتحاد کی لاتعداد زنجیریں ایک جال کے طور پر پھیلی ہوتی ہیں'' (ص: ۵۳۸)۔

مصنف نے یہودیوں پر توریت کے قانون کے مطابق زنا کی سزا نافذ کرنے پر رسول اکرم ﷺ کو 'بین الاقوامی قاضی' کا خطاب دیا ہے (ص ۵۳۹)۔ حضرت زیدؓ کے حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دینے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے بعض ان روایات کی تردید کی ہے جو مستشرقین کے حضور ﷺ پر طعن کا سبب بنی ہیں (ص ۵۴۹)۔ چوں کہ پردہ کے جزوی احکام اسی موقع پر نازل ہوئے تھے اس لیے مرزا صاحب نے اسلامی احکامِ حجاب کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اسلامی تعلیم کی رو سے عورت اپنی زینت کے بر ملا اظہار سے رکتے ہوئے تمام قسم کی جائز تفریحات اور جائز کاموں میں حصہ لے سکتی ہے اور اسے بالکل کھلے منہ پھرنے اور غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوت میں اکیلے ملاقات کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ یہ طریق اپنے اندر فتنے کے احتمالات رکھتا ہے، جس کا سدِّ باب ضروری ہے (ص ۵۴۸)۔۔۔۔۔۔ علاوہ ازیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عورت کے کام کی اصل جگہ گھر ہے، جہاں اس کے ہاتھوں میں قوم کے نونہال پلتے ہیں (ص: ۵۴۹)''۔

مصنف کے یہاں چہرے کے پردے کے بارے میں صراحت نہیں ہے۔ فحوائے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چہرے کے پردے کے قائل نہیں ہیں۔ اسی ضمن

میں انھوں نے مارگولیوتھ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ (معاذاللہ) حسب موقع اپنے مطلب کی وحی اتار لیا کرتے تھے (ص ۵۵۵-۵۵۶) مصنف نے غزوۂ بنی المصطلق کے سلسلے میں مختلف روایات کے درمیان تطبیق کا پہلو اختیار کیا ہے (ص ۵۵۷)۔ رسول اللہ ﷺ نے جویریہؓ بنت حارث کا فدیہ ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ان کا اصل نام برّہ تھا، جسے حضور ﷺ نے بدل کو جویریہ رکھا تو اس میں کیا حکمت تھی۔

غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ اور حضور ﷺ کے پیٹوں پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پتھر کو عربی زبان میں حَجَر کہا جاتا ہے۔ مصنف نے 'مجمع البحار' کے حوالہ سے بتایا ہے کہ 'الحجر' کے ایک معنی 'کمر میں باندھے جانے والے پٹکہ' کے بھی ہوتے ہیں۔ آخر میں واللہ اعلم لکھ دیا ہے۔ اسی زمانے میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے گھر دعوتِ طعام میں تکثیر خوان کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے ایک بار پھر معجزات کی صحت، حجّیت اور اس کی دس شرائط پر گفتگو کی ہے'' (ص ۵۷۹ تا ۵۸۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی تشریف آوری پر لوگوں سے فرمایا: قوموا الی سیدکم، جس کا ترجمہ ہوتا ہے 'اپنے رئیس کے لیے اٹھو'۔ مصنف نے اس ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا ہے 'اور سواری سے اترنے میں انہیں مدد دو'۔ یہ ترجمہ نہیں ہے، لیکن مقصدِ قیام کی وضاحت ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آمد پر بھی لوگوں کو تعظیماً کھڑا ہونے سے منع کیا تھا۔ اسی طرح مصنف نے رسول اللہ ﷺ کے تحسینی الفاظ لَقَدْ حَکَمْتَ بِحُکْمِ اللّٰہِ کی بھی توضیح کی ہے (ص ۶۰۱)۔ بنو قریظہ کے قتل کا دفاع کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کا یہ فیصلہ بحوالہ بائبل (استثنا: ۲۰:۱۰ تا ۱۵) توریت کے قانون کے مطابق تھا (ص: ۶۱۲)۔ ریحانہ کے واقعہ سے متعلق سر ولیم میور کی ہرزہ سرائی کا مصنف نے جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ یا تو آپؐ نے انھیں چھوڑ دیا تھا یا ان سے شادی کر لی تھی۔ جنت کی نعمتوں

کے بیان کو مصنف حقیقت کے بجائے استعارہ سمجھتے ہیں (ص ۶۱۵)۔

اس کے بعد مصنف نے تفصیل کے ساتھ اسلام کے قانونِ نکاح وطلاق کو بیان کیا ہے، جو کتاب کے صفحہ ۶۱۷ سے ۶۲۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے مدنی زندگی کے پہلے دور کے خاتمہ کو اسلامی نظامِ حکومت کے قیام پر منتج کرتے ہوئے اسے عطیۂ خداوندی قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اسلامی حکومت کا قائم ہوجانا مادّی علوم سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو روحانی تصرفات کا علم رکھتا ہو (ص ۶۳۱)۔

اس موضوع پر اصولی ہدایات کے تحت انہوں نے دو باتیں اور بیان کی ہیں: ایک یہ کہ حکومت کا اصل حق صرف جمہور کو حاصل ہے، لیکن اس سلسلہ میں وہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ حکومت ایک امانت ہے جو اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ ظاہری طور پر ان کے فیصلے اور وضاحت میں مطابقت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ حکومت کے لیے مشورہ ضروری ہے۔ ان دونوں شرائط سے جو بات ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت کی شکل وہ نہیں ہے جو آج کی دنیا میں رائج ہے۔ انہوں نے بنو امیہ کی خلافت کو صحیح قرار نہ دیتے ہوئے جانشین مقرر کرنے کی شرائط بیان کی ہیں۔ الأئمۃ من قریش والی حدیث کو وہ حکم نہیں، بلکہ خبر بتاتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مسئلہ بھی مسلمان علماء کے درمیان متفق علیہ نہیں ہے۔ کتاب کے اس حصہ میں مصنف نے غیر مسلموں سے تعلقات، مذہبی رواداری اور عدل و انصاف کے علاوہ جزیہ کے مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے۔

کتاب کی جلد سوم کی ابتدا صلح حدیبیہ کے زمانے سے ہوتی ہے۔ مصنف نے مومن اور کافر کے درمیان رشتۂ نکاح کو ناجائز بتاتے ہوئے اہل کتاب سے شادی کرنے کو استثنائی اجازت سے تعبیر کیا ہے (ص ۶۷۲ تا ۶۷۴)۔ حضرت عمرؓ نے مختلف مصالح کے تحت حکماً ایسے نکاح کی ممانعت کردی تھی۔

اس کے بعد مصنف نے اسلام کے نظریۂ مساوات پر ایک مفصل نوٹ لکھا ہے، جو صفحہ ۶۸۴ سے ۷۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں حفظِ مراتب، عدالت، تقسیمِ مناصب، برادرانہ اختلاط، خادم و آقا کے تعلقات، بیاہ شادی، عورتوں کے حقوق میں مساوات، دولت کی تقسیم کا نظریہ، وراثت، زکوٰۃ، قانون تجارت اور اقتصادی مساوات جیسے مسائل زیر گفتگو آئے ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ اشتراکی ممالک میں مساوات نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف اسلام ہے، جہاں عدل وتوسط ہے۔ انھوں نے ابن ہشام کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی، جس میں پانچ برائیوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ایک بے مثل حدیث ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ام قرفہ کے قتل کا واقعہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے تعلق سے جو ہدایات دی ہیں، یہ ان کے خلاف ہے۔ مشہور روایت کے مطابق اس بڑھیا کی دونوں ٹانگوں کو دو الگ الگ اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمت میں دوڑا دیا گیا تھا (ص ۷۱۷، ۷۱۸)۔

مدینہ میں قحط کے ذیل میں مصنف نے لکھا ہے کہ دعا اور معجزات ایک ہی قبیل سے ہیں۔ دعا کامیابی کا روحانی ذریعہ ہے۔ اللہ دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ دعا کے متعلق اسلامی تعلیمات کا خلاصہ انھوں نے دس نکات میں بیان کیا ہے۔ یہ گفتگو بھی طویل ہے اور دس صفحات (۷۲۸ تا ۷۳۸) پر محیط ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر 'تکثیر المائ' کا معجزہ پیش آیا تھا۔ مصنف نے یہاں معجزات پر پھر ایک نوٹ دیا ہے۔ اسی موقعہ پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کے مسئلہ پر انھوں نے صفحہ ۷۶۵ پر حاشیہ میں ایک طویل نوٹ دیا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ امّی تھے، لیکن مختلف والیان ریاست سے مراسلت کی وجہ سے آپؐ کو کچھ کچھ حرف شناسی ہوگئی تھی۔ اسی لیے حدیبیہ کے صلح نامہ پر آپؐ نے خود 'محمد رسول اللہ' کاٹ کر 'محمد بن عبد اللہ' لکھ دیا تھا۔ اس دلیل میں کچھ استبعاد بھی نہیں معلوم ہوتا۔ اسی سے متصل ابوبصیر کا واقعہ ہے کہ وہ معاہدۂ صلح کی ایک مخصوص دفعہ کی وجہ سے

جب مدینہ میں نہ رک سکے تو بھاگ کر سمندر کی طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تعرّض نہیں کیا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط سے عورتوں کا استثناء اور ابو بصیر و ابو جندل وغیرہ کی اپنی راہ نکالنے سے مصنف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ 'اسلامی سیاست اسلام کے دینی نظام سے علیحدہ بھی ہو سکتی ہے' (ص ۷۸۵) یہ صحیح نہیں ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف حکم رانوں کے علاوہ مصر کے فرماں روا کے پاس بھی دعوتی خط بھیجا تھا۔ اس مکتوب میں بعض ایسی تفاصیل ہیں جو سیرت کی دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ مصنف نے اکثر حکم رانوں کے نام دعوتی خطوط کا متن بھی دیا ہے اور مقوقس کے خط کا عکس بھی شاملِ کتاب ہے [۴]۔

مصنف نے ایک نکتہ کی بات یہ لکھی ہے کہ مسلمانوں نے تمام ممالک فتح کیے، لیکن حبشہ پر فوج کشی نہیں کی (ص ۸۲۸)۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ نجاشی دو تھے۔ دوسرے نجاشی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے بیہقی کی روایت **رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الأكبر** کو بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کیا ہے، حالاں کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک علّت سے خالی نہیں ہے۔ مصنف نے اس بات کی تکرار بھی کی ہے کہ جنت میں روحیں جائیں گی اور وہاں کی جنسی رفاقت روحانی ہوگی نہ کہ جسمانی (ص ۸۳۲)۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے شراب، جوا اور شطرنج وغیرہ کی حرمت کے مصالح بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ شراب کی حرمت ۳ھ کے آخر یا ۴ھ کے اوائل میں نازل ہوئی تھی (ص ۸۳۲، ۸۳۳)۔ یہیں پر تیسری جلد کے جز و اول کا اختتام ہوتا ہے۔

مصنف اپنی کتابِ سیرت کی تکمیل نہیں کر سکے۔ انہیں یہ کتاب تین جلدوں میں تمام کرنی تھی، لیکن وہ تیسری جلد کا جز و اول ہی تک لکھ پائے۔ جز و ثانی کے مجوزہ مضامین کا ایک خاکہ انھوں نے جدول کی شکل میں دے دیا ہے، جو دس صفحات پر محیط ہے۔ یہ جدول اس بات کا اشارہ ہے کہ کتاب کی تکمیل کرنے والے کے لیے انہی خطوط پر کام کرنا مناسب رہے گا۔ آئندہ سطور میں ایک نظر اس جدول پر بھی ڈال لینا

مناسب ہوگا:

☆ آں حضرت ﷺ پر سحر کا مزعومہ واقعہ اور اس کی حقیقت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھتے جو اس سلسلہ میں صحاح وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اہل سنت میں مولانا شمس پیرزادہؒ سحر کے مطلقاً قائل نہیں تھے۔

☆ ہجری سنین ۷ و ۸ میں واقعات کی ترتیب۔ کچھ فقہی مسائل کی تشریح، جیسے پالتو گدھے اور درندوں کا گوشت، جس کے کھانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ متعہ، استبرائے رحم، بیع، مال غنیمت وغیرہ۔ فدک کے نازک مسئلہ کی تشریح، جو حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا سبب بنا تھا۔

☆ غیر مسلموں کے ارض مقدس میں قیام کے بارے میں اسلامی حکم اور ضمناً ارضِ حرم سے متعلق احکام۔

☆ عام الوفود، قصیدۂ بردہ، غامدیہ کا رجم (کیا رجم اسلامی سزا ہے؟)۔ نجاشی کی نماز جنازہ (جنازہ سے متعلق اصولی نوٹ)۔ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں حج۔

☆ آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد پر نوٹ کہ عورت کو بادشاہ بنانے والی قوم کام یاب نہیں ہوگی۔

☆ ۱۰ھ۔ حجۃ الوداع۔ سود کی حرمت۔ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ: ۳) کا نزول۔ ۱۱ھ وفد نخع از یمن (یہ آخری وفد تھا)۔ سریۂ اسامہ بن زیدؓ۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا ظہور۔

☆ آں حضور ﷺ کا مرض الموت۔ مرض کیا تھا؟ (اس موضوع پر کسی سیرت نگار نے کلام نہیں کیا ہے)۔ کتنے دنوں تک علاج کیا گیا؟

☆ واقعۂ قرطاس کی تشریح، امارت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا تقرر۔ آپؐ کا حضرت عائشہؓ سے فرمانا کہ 'ارادہ ہوا کہ ابوبکر کے لیے خلافت کی وصیت لکھ دوں'۔

☆ آخری کلام۔ وصالِ اکبر۔ (وصال کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف بھی ابن العربی کے فلسفۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے)۔

☆مسجد نبویؐ میں صحابہؓ کا غم واندوہ میں نڈھال ہونا ۔حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ اور اسلام کا سب سے پہلا بلکہ واحد اجماع۔سقیفۂ بنوساعدہ۔

☆عمر شریف بحساب نظام شمسی وقمری۔ ورثہ۔حدیث ماترکناہ صدقۃ۔

☆ شمائل نبویؐ کی ایک جھلک ۔محمدؐ مفلح۔کتاب کا خاتمہ۔

کتاب کے آخر میں اسماء ، مقامات اور غزوات کا اشاریہ ہے۔کتابیات کے بعد سب سے آخر میں امامِ جماعتِ احمدیہ کے علاوہ آٹھ افراد کی رائیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

اپنے مباحث کے اعتبار سے یہ کتاب بہت وقعت رکھتی ہے۔ پوری کتاب میں سوائے لفظ 'خاتم النبیین' کی تشریح کے کہیں بھی عقیدۂ اسلامی سے انحراف نہیں ہے ۔ اسلام کے بہت سے احکام کی علّت و غایت سمجھنے کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی علمائے کرام بشمول مولانا سید سلیمان ندویؒ ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اورادارۂ 'معارف' نے اس کے حق میں رائے دی ہے۔منصور پوری اور شبلی کی کتبِ سیرت سے اس کتاب کا موازنہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ منصور پوری کی 'رحمۃ للعالمین' میں رسول گرامی ﷺ کی قرآنی سیرت اجاگر کی گئی ہے ،شبلی کی 'سیرۃ النبیؐ' میں حدیثی صفات کا مفصل بیان ہے، جب کہ زیر مطالعہ کتاب ' سیرت خاتم النبیین' میں فقہی ، منطقی اور کلامی بحثوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔تینوں کتابیں اپنی اپنی جگہ قابل مطالعہ ہیں۔

آخر میں کتاب کے تسمیہ سے واقع ہونے والے خود تضادی (paradox) کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قادیانی حضور ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے ، اس لیے وہ قرآن کے لفظ خاتم النبیین (الاحزاب:۴۰) کی خود ساختہ تشریح کرتے ہیں ۵۔مصنف نے کتاب کا نام 'سیرت خاتم النبیین' رکھ کر دراصل مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔مصنفِ کتاب مرزا بشیر احمد قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔کسی شخص کا دعویٰ نبوت دو

باتوں میں سے ایک کو مستلزم ہے۔ اگر وہ سچا نبی ہے تو اس کے نہ ماننے والے کافر ہیں اور اگر وہ جھوٹا نبی ہے تو اس کے ماننے والے کافر۔ اس کلیہ کے تحت قادیانی تمام مسلمانوں کو کافر مانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مرزا بشیر احمد نے اپنی کتاب کی پہلی جلد کی اشاعتِ اول (۱۹۲۰ئ) میں علامہ شبلی مرحوم کو ایک جگہ 'آنجہانی' لکھا ہے (ص:۸)۔ لیکن جب رابطہ عالم اسلامی اور حکومت پاکستان نے انہیں غیر مسلم قرار دیا[۶] تو 'سیرت خاتم النبیین' کے ترمیم شدہ ایڈیشنوں میں سے 'آنجہانی' کا لفظ نکال دیا گیا۔

کتاب کی زبان اوسط درجہ کی ہے، جس میں کہیں کہیں پنجابی لہجہ نمایاں ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ 'سیرۃ النبیؐ' کی پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں اور آخری (ششم) جلد تقریباً ۱۹۳۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ جلد ہفتم سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے مرتب فرمائی ہے۔

۲۔ 'رحمۃ للعالمین' کی پہلی جلد ۱۹۱۲ء میں اور آخری (سوم) جلد ۱۹۳۲ء میں مصنف کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔ اس پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مقدمہ ہے۔

۳۔ 'اصح السیر' پہلی بار ستمبر ۱۹۳۲ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے 'صحیفہ ہمام بن منبہ' طبع چہارم، ۱۹۵۶ئ، مطبوعہ حیدر آباد میں مقوقس اور نجاشی کے نام لکھے گئے اصل خطوط کی نقل شامل کی ہے۔

۵۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰، کتاب طبع جدید۔

۶۔ ماخوذ از The Journal of Rabitat-al-Alam-al-Islami، شمارہ ۳ جنوری ۱۹۷۵ء مطابق محرم ۱۳۹۵ھ۔

☆☆☆

ثمرات الحیاۃ۔تصوف کے موضوع پر ایک اہم تصنیف

ڈاکٹر محمد امین عامرؔ

عہدِ عالم گیری (۱۶۵۸-۱۷۰۷ئ) میں جو علمائ، فضلائ، ادباء اور شعراء امورِ سلطنت سے وابستہ تھے ان میں عاقل خان رازی اے کا اسم گرامی قابلِ ذکر ہے۔ ان کے گراں قدر فارسی آثار میں تصوف کے موضوع پر تین قیمتی تصنیفات ہیں، جن میں اولین تصنیف 'ثمرات الحیاۃ' ہے۔زیر نظر مقالہ میں اسی تصنیف کا بالاختصار مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔'ثمرات الحیاۃ' کا یہ فارسی نسخہ، جس سے استفادہ کیا گیا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی میوزیم لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے ہیں: ایک سوسائٹی کلکشن Ivano میں، جس کا نمبر ۱۲۷۸ ہے اور دوسرا کرزن کلکشن میں، جس کا نمبر ۴۴۸ ہے۔ ان کے علاوہ اس کتاب کے اور بھی نسخے ہیں جنھیں انڈیا آفس لائبریری (E10) مخطوطہ نمبر ۱۸۹۶، برٹش میوزیم (C.Rieu) لائبریری مخطوطہ نمبر ۱۰۹۱، کلکتہ مدرسہ لائبریری (Madr) مخطوطہ نمبر ۱۱۸، ٹیپو سلطان لائبریری میسور (C.Stewart) مخطوطہ نمبر ۷۷، لٹن ضمیمہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، شمارہ ۱۰۶ اور سالار جنگ میوزیم حیدرآباد مخطوطہ نمبر ۳۸ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف نے ان میں سے ایشیاٹک سوسائٹی والے کرزن کلکشن مخطوطہ فارسی شمارہ ۴۴۸ میں مندرج موضوعات کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ زیر مطالعہ کتاب کی تالیف سے متعلق مؤلف کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو ؎

ایہا الکاینات این ثمرات
چون شدہ وارد از مخیل الغیب
سال ترتیب آن خرد گفتا

ثمرۃ الحیات بیشک وریب ۲؎

۱۵۹۱ - ۵۳۸ = ۱۰۵۳

قطعہ مذکور کے آخری مصرع سے ۱۵۹۱ کے عدد سے اگر ۵۳۸ کے عدد کو تفریق کر دیا جائے تو حاصل تفریق ۱۰۵۳ کا عدد بنتا ہے، جو دراصل کتاب کا سالِ تصنیف ہے۔ اس نسخہ کے دو حصے ہیں: اول حصہ نوباوہ ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء میں مکمل ہوا، جب کہ دوسرے حصہ کی تکمیل رازی نے ۲۶ سال کی عمر میں کی، جیسا کہ ذیل کی عبارت سے وضاحت ہوتی ہے:

''نوباوہ دیگر از ثمرات الحیاۃ و خوشۂ آخر از ثمرات البرکات بہ حکم الامور مرہونہ باوقاتہا بہ مقتضای موانع بشریت بعد از انقضای مدت از اصل معانی در فصل ثانی در نخلستان عبارت شگفتہ و باسند سابقہ صورت وصل پذیرفت''۔ ۳؎

(ثمرات کا یہ دوسرا حصہ حکمِ الٰہی کے مطابق تمام بشری تقاضوں اور رکاوٹوں کو دؤر کرنے کے بعد چند مدتوں کے دوران سابقہ صورت کے ربط و تسلسل اور سند کے ساتھ اصلی صورت میں نمودار ہوا۔)

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب رازی کی ایک وقیع تصنیف ہے، جس میں اس نے اپنے پیر و مرشد حضرت برہان الدین راز الٰہی ۴؎ کے فرمودات اور نصائح کو جمع کیا ہے۔ اس کے علاوہ آدابِ تصوف اور اس کے اصول سے بحث کرتے ہوئے دیگر صوفیانِ عظام کے اقوال و فرامین نیز حسب موقع و مناسبت آیاتِ کلام اللہ اور اس کی تفسیر اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر تاریخ ساز شخصیتوں اور صوفیہ کے احوال و کوائف بھی اجمالاً درج کیے گئے ہیں۔

ثمرات الحیاۃ اکہتر (۷۱) اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز رب ذوالجلال والاکرام کی تعریف و توصیف سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد مؤلف حضرت شیخ برہان الدین کی خدمت میں شرفِ حضوری اور ان سے شاگردی کی سعادت حاصل کرنے کا یوں

تذکرہ کرتا ہے:

''چون این فقیر کثیر التقصیر شرف از سعادت ملازمت حضرت ہدایت پناہ ولایت دستگاہ شیخ الزماں ..... حجت الطریقت والحقیقت برہان الحق والدین یافت وشعشۂ جمال عدیم المثال آن خرشید نظیر بر مرأت ضمیر این حقیر تافت۔'' (ثمرہ، ۱۔ ۲)

(یہ حقیر فقیر جو بے انتہا خطا وار اور گنہ گاہ ہے، اس نے شیخِ زمانہ کے در کی حضوری کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر اور طریقت وحقیقت کے علَم بردار اور دین حق کی دلیل اور اس کے بے مثال جمال نورانی کے پرتو سے اپنے آئینۂ ضمیر کو روشن کیا۔)

ثمرات الحیاۃ کے سببِ تالیف اور اس کی وجہِ تسمیہ سے متعلق بھی رازی نے وضاحت کردی ہے۔ (ثمرہ ورق ۱۔ ۲)

ثمرات میں جو مباحث درج ہیں ان کے پیش نظر آیاتِ کلام اللہ اور احادیث نبوی کو پیش کیا گیا ہے اور جہاں کہیں سلف صالحین کے فرمودات ہیں، وہاں بطور علامت لفظ 'ثمرۂ' سے انھیں ممیّز کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں جہاں بھی لفظ 'حضرت ایشان' استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت برہان الدین راز الٰہی کی ذات گرامی ہے اور جہاں 'حضرت شیخ' کا لفظ مستعمل ہے، اس سے مقصود حضرت شیخ عیسیٰ قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ کی ذاتِ بابرکات ہے، جنھوں نے راہِ تصوف وسلوک میں حضرت شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کی رہ نمائی فرمائی۔ (ثمرات، ورق ۲)

تصوف کے اس مجموعہ میں ایک سو بارہ (۱۱۲) مقامات پر لفظ 'ثمرۂ' کے عنوان کے تحت حضرت برہان الدین راز الٰہی اور دیگر بزرگانِ دین کے فرمودات قلم بند کیے گئے ہیں۔ لفظ 'بیت' کے ذیلی عنوان کے تحت اڑسٹھ (۶۸) مقامات پر فارسی اشعار پیش کیے گئے ہیں، نیز لفظ 'شعر' کے تحت مزید اڑسٹھ (۶۸) مقامات پر شعر وسخن کے گل دستے بکھیرے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ورق چھ (۶) پر ایک قطعہ، ورق اکیاون (۵۱) پر

ایک غزل اور ورق چوّن (۵۴) پر ایک مثنوی درج کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حسب حال جابہ جا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول کے اندراج سے اس مجموعہ کو زینت بخشی گئی ہے اور مختلف دینی مسائل و احکام نیز اہل علم سے متعلق عبرت آموز واقعات بھی تبلیغ و اشاعتِ دین نیز اصلاحِ امت کے مقاصد سے اس میں جمع کر دیے گئے ہیں، جن سے مجموعہ کی دینی، علمی، مذہبی اور ادبی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رسالے کا سب سے پہلا فرمودہ حضرت برہان الدین راز الٰہی کا ہے، جو ادب سے متعلق ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

''میفر مودند ہرجا ادب نیست فیض نیست چہ ابلیس کہ مذموم است واز فیض لا متناہی الٰہی محروم ہم از ترک ادب است''۔ (ورق، ۲۔۳)

یہ کتنا گراں قدر اور مبنی برحقیقت قول ہے کہ فیض وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو باادب ہو۔ بے ادب ہرگز فیض سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، جیسا کہ شیطان کی مثال پیش کی گئی ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں اس نے بے ادبی اور گستاخی کا مظاہرہ کیا اور نتیجتاً فیض الٰہی سے محروم ہوکر ذلیل وخوار ہوا۔ اس لیے کسی سے کچھ حاصل کرنے کے لیے پہلے اس کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنا ہوگا، تبھی سعادت وخوش بختی قدم بوس ہوگی، ورنہ نہیں۔ درج ذیل بیت کے ذریعہ اس مفہوم کو مزید واضح کیا گیا ہے۔

از خدا جوئیم توفیق ادب
بی ادب محروم ماند از لطف رب
بی ادب تنہا نخود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد (ورق،۳)

یعنی حضرت راز الٰہی خدا سے ادب کی توفیق طلب کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ بے ادب خدا کے انعامات واکرام سے محروم رہتا ہے اور وہ اپنی اس گستاخی اور بداخلاقی کے ذریعہ صرف اپنی ذات کا نقصان نہیں کرتا، بلکہ ایک مخلوق کو غلط پیغام پہنچاتا ہے۔

اس کے بعد نماز پنج گانہ کی اہمیت، اخلاصِ نیت اور توکل و استغنا سے متعلق

فرمودات درج ہیں۔ نیت و ارادے کے تعلق حضرت برہان الدینؒ فرماتے ہیں:

''میفرمودند عزیمت درخبر وارد است ہرگاہ بندہ مومن بصدق نیت بہ نیت عزیمت زیارۃ برادر مومن نماید ہفتاد ہزار فرشتہ مگر موافقت بستہ استدعای رحمت ازحق درحق اونمایند''۔ (ورق، ۳)

یعنی صدقِ نیت اور خلوص کے ساتھ کسی بندۂ مومن کی زیارت کرنا ستّر (۷۰) ہزار فرشتوں کی دعا حاصل کرنا ہے، جو خدا سے اس کے حق میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ یہاں حضرت نے خلوصِ نیت سے متعلق بحث کی ہے، جو عین اس حدیث کے مطابق ہے جو حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**انما الاعمال بالنیات**.....''۵ ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''۔ نیز قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے: **وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ** ۔۔۔الخ۔ (البینۃ: ۵) ''ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں، یکسو ہوکر''۔

حصولِ معاش سے متعلق تین طرح کے لوگوں کا تذکرہ ہے: ایک شخص وہ ہے جس کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے، مگر وہ اسے مخلوق سے پوشیدہ رکھ کر اپنی غربت و افلاس کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا شخص منافق ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جسے اسبابِ دنیوی حاصل ہیں اور بوقت ضرورت وہ مخلوق کے سامنے اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔ یہ امر مناسب ہے۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہے، تاہم وہ اس کا اظہار بھی نہیں کرتا اور نہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرتا ہے، بلکہ ہمیشہ اپنے فقر و غنا پر قانع رہ کر اپنے مالک کے شکر و احسان کی لذّت سے محظوظ ہوتا رہتا ہے۔ ایسا شخص سب سے بہتر ہے۔

''میفرمودند کافہ انام درصرف معاش برسہ نوع اند یکی آنکہ عطیہ الٰہی را ازخلق بپوشد..... آنکہ مجازی احوالش بفقر وفاقہ جاری باشد..... شکر شربت شکر شکر راذایق''۔ (ورق، ۴)

توکل سے متعلق حضرت کا یہ قول ہے:

''میفر مودند چون بر درویش توکل کیش ابواب فتوح کشاید آنچہ خطرۂ دل ونعمال ..... ہم بمشکش محتاج شود ..... وقول شیخ ابوبکر حمدانی قدس سرّہٗ کہ درنفحات الانس مسطور است یعنی از کسی طمع مکند واگر چیزی بتو رسد منع نکنی چون بگیری جمع نکنی''۔(ورق،۵)

مطلب یہ ہے کہ درویش جوتوکل کیش ہوتا ہے، وہ کسی خطرہ اور احتمال سے پریشان نہیں ہوتا۔ بالفرض اس راہ میں اگر اسے کوئی اندیشہ محسوس ہوتو یہ اس کی سعادت اور اقبال مندی کی بات ہوگی۔لیکن اگر وہ مستغنی نہیں ہے اوران خطرات اور پریشانی سے دوچار ہونے کی اسے صلاحیت نہیں ہوئی تو اس کی حیثیت پھر ایک گداگر اور محتاج کی سی ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ بندہ، بندہ ہوتا ہے اور اس کے اندر فقر و احتیاج کی سی صفتِ بندگی ہوتی ہے، جب کہ بے نیازی اور استغنا خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔ شیخ ابوبکر حمدانی قدس سرّہٗ کے قول کے مطابق نفحات الانس میں ان امور کی تائید کی گئی ہے، یعنی درویش تین چیزوں سے عبارت ہے: اول ترکِ حرص وہوس، دوم روکنا اور جمع کرنا یعنی کسی سے طمع نہ کرے اوراگر کوئی چیز کسی کی طرف سے آئے تو اس کے لینے سے انکار نہ کرے اور تیسرے جب وہ چیز حاصل ہوجائے تو اسے جمع نہ کرے۔

ثمرہ-مذہب بیزاروں اور الحاد پرستوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے:

''میفر مودند ہرکہ مذہب اور مخالف مذاہب شما نماید صحبت و اختلاط را نشاید زیرا کہ دران مصاحبت مداہنت نمودہ آید وآن بقاعدہ اہل نفاق گرآید

بیت: نخست موعظۂ پیر صحبت این حرفست

کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید'' (ورق، ۵)

اسی ضمن میں مجذوبوں کی صحبت سے احتراز کرنے اور انسانی ہمدردی اور اخلاق کی بنیاد پر ان کی مدد وتعاون پر ابھارا گیا ہے:

ثمرہ-''میفر مودند کہ از صحبت مجاذیب نیز محترز باید اما از ہرگونہ امداد و

اعانت اینجماعت باید نمود زیرا کہ .....صورت او زہر و معنی شکر است ۔۔۔(ورق ۶)

یعنی مجذوبوں کی صحبت سے پرہیز لازمی ہے، مگر اس طائفہ کی حتی الامکان مدد اور اعانت کرتے رہنا چاہیے، اس لیے کہ مجذوب کی خدمت کرنے میں فائدہ تو ہے، مگر اس کی ہم نشینی نقصان دہ ہے۔

ثمرہ: انسان کی وجہ تسمیہ سے متعلق یہ نکتہ بیان کیا گیا کہ بھولنے کی صفت اس میں پائی جاتی ہے، اسی لیے اس کا نام انسان رکھا گیا۔ مثلاً:

''میفر مودند وجہ تسمیہ انسان آنست کہ در جبلت اوصفت نسیان است بلی ہم ازان است کہ آئیہ کریمہ فنسی آدم درشان او بیان است''۔ (ورق،۱۱)

اس ضمن میں قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً۔ (طہ:۱۱۵)

''ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا، لیکن وہ بھول گیا۔ ہم نے اس کا کوئی قصد نہیں پایا''۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے جو حکم سب سے پہلے دیا گیا اسے وہ بھول گیا۔ ۶

ایک جگہ مومنین کے حق میں دعائے مغفرت کی یہ برکت بیان کی گئی ہے:

''حضرت میفر مودند درخبر است کہ ہرکہ بعد از ادای فریضہ نماز بامداد در حق مومنین و مومنات استغفار کند حق تعالیٰ ویرا از جملہ اولیا گرداند کہ ببرکت ایشان اہل زمین را رزق میرساند پس مصلّی را باید کہ بعد از نماز فجر در وقت استدعا دست برداشتہ بیست وہفت کرت بگوید اللھم اغفرللمومنین والمومنات..... الخ''۔ (ورق ۱۹)

حضرت نے ایک حدیث کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں ستائیس (۲۷) بار مذکورہ دعائے استغفار کا اہتمام کرنا

اپنے آپ کو جملہ اولیاء اللہ میں شمار کروانا ہے کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو رزق مہیا کرتا ہے۔

اس کے بعد ایک ثمرہ کے عنوان کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے:

''میفر مودند خاموشی از تکلم مالا یعنی بہتر است وکلام نافع از سکوت اولی وخلوت از صحبت جہاں و اہلِ غفلت انسب است وصحبت علمائے دین و درویش صاحب تمکین از خلوت افضل''۔(ورق،۲۰)

یعنی بیہودہ گوئی سے خاموشی بہتر، خاموشی سے نفع بخش کلام بہتر، جاہلوں اور اہلِ غفلت کی صحبت سے گوشہ نشینی بہتر اور عزلت پسندی سے درویشوں اور علمائے دین کی صحبت بہتر وافضل ہے۔

حالتِ اضطرار میں مردار کھانے کے مسئلہ پر حضرت کا ایک قول یوں نقل کیا گیا ہے:

''میفر مودند کہ در حالت مخمصہ مردار حلال می شود اما باید دانست کہ بموجب اختلاف طبایع حکم مخمصہ مختلفا ومتضاد تست .....کما قال اللہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلاَّ وُسْعَھَا میفر مودند کہ علامت صحت وقوع مخمصہ آنست کہ ادای نوافل ایستادہ بتواند اگر چہ فرض را در حالتِ قیام بانصرام رساند''۔(ورق،۲۱)

یعنی حالتِ اضطرار میں مردار حلال ہے، لیکن حالت کی تبدیلی سے اس کے احکام میں بھی فرق ہوجاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی اپنی طاقت وتوانائی کی بنا پر تین دنوں تک فاقہ کرسکتا ہے تو وہ مردار نہ کھائے اور اگر کسی کو ایک دن سے زیادہ فاقہ کشی کی طاقت نہیں ہے تو پھر اس کے بعد اسے مردار کھانے کی اجازت ہے اور فاقہ کشی چوں کہ ایک سخت عمل ہے اور بھوک کی حالت میں صبر وتحمل بھی بڑا سنگین امر ہے، لہٰذا ایسی حالت میں وہ اضطراری کیفیت سے دوچار ہے اور اپنی جان بچانے کی خاطر وہ مردار کھا سکتا ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی طاقت سے زیادہ کسی کام کا بار نہیں ڈالا ہے۔ اس ضمن میں یہ آیت پیش کی گئی ہے ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلاَّ وُسْعَھَا .....الخ''(البقرۃ:۲۸۶)۔

اس کے علاوہ حضرت کی طرف سے انسانی صحت کی یہ علامت بھی بتادی گئی ہے کہ کم از کم فرائض ونوافل کی ادائیگی وہ کھڑے ہوکر انجام دے سکتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر حالتِ اضطراری کا حکم نہیں لگے گا اور اس کے لیے اکلِ مردار جائز نہیں ہوگا۔

اخلاص نیت کے تعلق سے حضرت کا یہ قول ہے:

''میفر مودند کہ ہر کہ برای ادای نماز جمعہ متوجہ شود و مسجدی تعین کند کہ در آنجا قاری قرآن را بالحان خوش میخواند یا خطیبی خطبہ را دلکش بسماع مستمعان میرساند یا درویشی دران مکان .....نمازش مکروہ شود مراد آنست کہ سعی وتوجہ مصلّی مسجد خالصتاً للصّلٰوۃ باید''۔(ورق، ۲۲)

یعنی نماز جمعہ کی خاطر مسجد جاتے وقت کسی کی نیت محض خطیب کا دل کش خطبہ اور اس کی خوش الحان قراءت سننے یا مسجد میں معتکف کسی اللہ والے کی زیارت مقصود ہو تو ایسی صورت میں اس کی نماز مکروہ ہے۔ نمازی کو صرف ادائی نماز کی خاطر نیت کو خالص کر کے مسجد کا رخ کرنا چاہیے۔

وطن سے جدائی اور ہجرت کے متعلق حضرت کا یہ قول ہے کہ مفارقتِ وطن میں بہت سے دینی فوائد حاصل ہیں۔ اگر کوئی شخص ادائی حج کی خاطر ہجرت کرنا چاہتا ہے تو اولاد اور وطن کی محبت اس کے دل سے نکل کر اسے بہت سے دینی فوائد سے مالا مال کر دیتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ فقط حاجی کہلانے کی خواہش اور دنیوی مال وجاہ کی طلب اسے نہ ہو، ورنہ بجائے سعادت کے شقاوت اس کے حصہ میں آئے گی۔ یہ عبارت ملاحظہ کریں:

''میفر مودند فواید بسیار است در مفارقت وطن، زیرا کہ دل از محبت اولاد ووطن منقطع میشود ..... ہر کہ بسعادۃ حج مستعد گردد وی را باید کہ خود را بجای ملقب نکند چہ صفات دینیہ را وفایدہ تحصیل اسباب دنیویہ ساختن ضلالت محض وجہالت است''۔(ورق، ۴۳)

ایک 'ثمرہ' کے تحت حقوقِ والدین سے متعلق حضرت کا یہ ارشاد ہے کہ والدین

کے کافر ہونے کی صورت میں بھی ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے فرزند کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی اطاعت کرے۔ مثلاً اگر وہ سور کا گوشت مہیا کرنے اور ان کے لیے پکانے کا حکم دیں تو وہ دریغ نہ کرے، لیکن اگر وہ کھانے پر اکسائیں تو اس امر میں ان کی مخالفت کرے، کیونکہ یہ عین اطاعتِ حق ہے۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو:

''میفر مودند کہ حقوق والدین در ذمہ فرزند بمرتبہ ایست کہ اگر مادر و پدر یکی کافر باشند وفرزندان را کہ بفرمایند کہ از برای ما گوشتِ خوک بیاور بیارد ..... لیکن اگر بہ اکل تکلیف کنند نخورد زیرا کہ دو اینصورت مخالفِ فرمان ایشان متضمن مطاوعت امر حق است''۔ (ورق، ۴۳)

کافر ہمسایہ کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ایک 'ثمرۂ' کے تحت حضرت کا یہ ارشاد ہے کہ اس کے چار حقوق ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اور مسلمان ہمسایہ کے دو حقوق ہیں: ایک ہمسایہ ہونے کے ناطے اور دوسرے مسلمان ہونے کے ناطے۔ نیز قریبی رشتہ دار مسلمان کے حقوق اس سے بھی زیادہ ہیں: ایک ہمسائیگی، دوسرے مسلمان ہونا اور تیسرا صلہ رحمی۔ ان کا قول ہے:

''میفر مودند ہمسایہ کہ کافر است یک حق دارد وآن حق چاراست اگر ایذای بوی نرسانند ۔۔۔۔۔۔۔ وہمسایہ کہ مسلمان است صاحب دو حق است یکی حق ہمسایگی دوم حق اسلام و ہمسایہ کہ مسلم وخویش است حقوق وی از ہمہ بیش است زیرا کہ ویرا سہ حقست یکی حق قرب جوار دوم حق اسلام سوم حق صلہ ارحام''۔ (ورق، ۲۷)

مرشد کو اپنے طالب کی کس طرح تربیت کرنی چاہیے، اس سے متعلق حضرت کا یہ قول ہے:

''فرمودند کہ مرشد را باید کہ ابتدای حال تا سہ سال بتربیت طالب را نمی تواں اشتغال نماید سال اول خدمت خلق فرماید ..... سال دوم در حجرہ خلوتش نشاند وبذکر وشغل مشغول گرداند سال سوم نگہدارد کہ بمقتضای

مدعای دل خود بعمل آرد و بعد از مرورسہ سال بدین منوال ظن اغلب آنست کہ مقصود حاصل شود اما باید دانست کہ قانون تربیت مریدان وطریق سلوک سالکان اینست نہ آنکہ فتحاب ورفع حجاب محضر یر براینست''۔ (ورق،۳۱)

یعنی مرشد کو چاہیے کہ وہ طالبِ حق کو پہلے ایک سال تک خدمتِ خلق کی تعلیم دے، دوسرے ایک سال تک اسے ذکر وفکر میں مشغول رکھنے کی خاطر حجرہ نشین کردے اور تیسرے ایک سال تک اسے اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ خود اپنی مقصد برآری کی خاطر عمل کرے۔ اس طرح تین سالوں کے بعد وہ یہ دیکھے کہ طالب حق اپنے مقصد کو حاصل کرسکا ہے یا نہیں۔ سالکوں اور مریدوں کے مابین تعلیم وتربیت کا یہی راست اور آزمودہ طریقہ ہے، جو سودمند ہے۔

سالک کے لیے مطالعۂ کتب اور تحصیلِ دین لازمی ہے۔ اس 'ثمرہ' کے تحت حضرت شیخ کا یہ قول ہے:

''میفر مودند سالک را در ابتدای سلوک بمطالعۂ کتب یقینی وتحصیلِ علوم دینی بقدر اشتغال باید زیرا کہ او در مبادی احوال از دو حال خالی نیست ..... کہ حضرت شیخ فرمودند کہ نباید کہ سالک را علی الدوام بتمام جذبہ در رباید زیرا کہ درین صورۃ معرفت حاصل نیاید..... ونیز میفر مودند کہ حال بمثابہ رنگیست کہ گاہ ہست وگاہ نیست اگر حاصل حال را بہرۂ از علم باشد مقوی حال او گردد و در اوقات زوال حال درزایہ غفلت واہمان نماند علم را دست آویز خویش گرداند۔'' (ورق،۳۸)

مطلب یہ ہے کہ مطالعۂ کتب اور تحصیلِ علم دین سالک کے لیے ضروری ہے۔ ان امور میں اس کی مشغولیت اسے فضول کاموں سے باز رکھے گی اور بے خودی و مغلوبیت کے جذبات پر بھی اس کا قابو رہے گا، کیوں کہ حصولِ معرفت اور مشاہدۂ جمال کی یہی بہتر صورت ہے۔ نیز سالک پر جو حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اگر علم سے

آشنا ہے تو وہ قوتِ حال پر مبنی ہے اور اگر سالک علم سے بے بہرہ ہے تو اس غفلت کی وجہ سے اس کے حال کی کیفیت زوال پذیر رہتی ہے۔

صفاتِ درویش سے متعلق کہا گیا ہے کہ آٹھ صفات ایسی ہیں جن پر درویشی کی اساس ہے، یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، لوگوں سے کم ملنا، ہمیشہ روزہ رکھنا، ہمیشہ باطہارت رہنا، ذکر وفکر میں مشغول رہنا اور مرشد سے قلبی لگاؤ رکھنا۔ پس راہِ سلوک کا ہر سالک، جو ان صفات سے متصف ہے، وہ قابلِ تحسین ومحمود ہے اور جو ان صفات سے محروم ہے وہ درویشی سے محروم ہے۔

حضرت کا درج ذیل قول ملاحظہ ہو:

''میفر مودند درویش منحصر بر این ہشت صفات است: کم خوردن، کم خفتن، کم گفتن وکم باخلق بودن و دوام صوم ودوام طہارت ونفع خواطر بذکر وارتباط قلب بمرشد پس در ذات ہر کہ این صفات موجود است اگر چہ ایمۂ دنیا است محمود است و در ہر کہ صفتہای مذکورہ معدوم است اگر چہ فقیر است از ثمرۂ فقر محروم است''۔(ورق، ۴۲)

ایک 'ثمرہ' کے تحت ذکر اللہ کی اہمیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ تمام عبادات وطاعات میں سب سے اچھی نیکی اور عبادت تمام اوقات میں ذکر الٰہی میں مشغول رہنا ہے۔ حضرت کا ارشاد ملاحظہ ہو:

''میفر مودند بہترین عبادات ونیکوترین طاعات در جمیع احوال واوقات ذکر است .....بعدۂ تلاوت قرآن بعد ازان سایر عبادات.....الخ''۔(ورق،۳۶)

ریاضت وعبادت کے بے ثمری سے متعلق حضرت فرماتے ہیں:

''میفر مودند الا آن کہ طالبان ریاضت میکنند ونتیجۂ آن مترتب نمیشود بنا برآنست کہ دل ایشان کما ینبغی از دنیا منقطع نمی گردد واین بدان ماند کہ موشی مردہ در چاہی افتادہ باشد وجیفۂ رانا کشیدہ آب از چاہ میکشیدہ باشند .....ہمچنان اگر سالکان لوث حب دنیا از دل خارج کنند

باند کہ مجاہدہ صفا ظاہر شود خاطرت کی رقم فیض پذیرد ہیہات مکر ازنقش
پراگندہ ورق سادہ کنی‘‘۔(ورق،۲۱)

اقتباس بالا میں عبادت وریاضت کی بے ثمری سے متعلق نہایت حکیمانہ انداز میں ایک عبرت انگیز نکتہ پیش کیا گیا ہے کہ کنویں میں اگر کوئی مردہ جانور گر پڑے (یا کنویں میں گر کر مر جائے) تو ایسی حالت میں کنویں کا پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔اس کے پاک ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلے مردار نکالا جائے، اس کے بعد پانی نکالا جائے،تبھی کنواں پاک ہوگا ورنہ نہیں۔ بغیر مردار نکالے کوئی لاکھ کنویں سے پانی نکالے،لیکن کنواں کبھی پاک نہیں ہوگا۔اسی طرح انسانی قلب ایک کنواں ہے۔اگر اس میں حُبِّ دنیا سمائی ہوئی ہے تو اس کو دنیاوی محبت سے پاک کیے بغیر خدا کی محبت اس میں نہیں سما سکتی۔یہی سبب ہے کہ لاکھ عبادت وریاضت کے باوجود بھی نتیجہ بے سود ہی رہے گا۔اس نکتہ کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ:

’’طالب دنیا و طالب خدا ہر دو ضد آن لا یجتمعان اند‘‘

یعنی دنیا طلبی اور خدا طلبی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں یکجا نہیں ہوسکتے ۔لہٰذا طلبِ خدا کے لیے دنیا سے اظہارِ بےزاری لازمی ہے،ورنہ نہیں۔

زیرنظر کتاب میں دیگر موضوعات ،مثلاً فنا فی اللہ و بقا باللہ کا تصور، ماہ رمضان المبارک و یوم عاشورہ، مرشد و طالب کے مابین اختلاط، نماز جماعت میں صفِ اول میں حاضری، وجد وسماع ،اقسامِ عبادت، عبادت میں مرشد کا تصور، خواب میں دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، مکتوباتِ صدی کی فضیلت اور نماز قلاقل وغیرہ بھی زیر بحث آئے ہیں، جن پر بہ خوف طوالت اظہارِ خیال سے احتراز کیا گیا ہے۔ تاہم ان سطور میں کتاب میں درج جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے وہ کہاں تک قرآن وحدیث سے مطابقت رکھتے ہیں، اسے موضوعِ بحث بنانا قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھنے والے ماہرین کا کام ہے۔ راقم الحروف کے مطابق یہ کتاب اب تک قلمی ہے، اس کے کئی نسخے ہیں، جن کا ابتدا میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ حاملینِ تصوف اور اس سے دلچسپی رکھنے والے اس کی اشاعت کا اہتمام کریں تو بہتر ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ رازی کا اصل نام میر عسکری تھا۔بیش تر تذکروں میں یہی نام درج ہے،مگر اس کی اصل تصنیف ثمرات الحیاۃ میں بطور نام 'میر علی عسکری' درج ہے۔ (ملاحظہ ہو ثمرات کا نسخہ خطی شمارہ ۳۸، سالار جنگ میوزیم، ورق ۱) رازی اورنگ زیب کے عہد شاہ زادگی ہی سے اس کے دربار سے منسلک تھا۔ دہلی کی گورنری (۱۰۰۱۔۱۱۰۸ھ) جیسے عہدۂ جلیلہ پر ۱۷ سال تک کامیابی کے ساتھ برقرار رہ کر وہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ، اکتوبر ۱۶۹۶ء میں ۸۰ سال کی عمر میں فوت کر گیا۔ ملاحظہ ہو بندرابن داس خوشگو: سفینۂ خوشگو ۱۳رم آثر عالم گیری ۳۸۳، ریاض الافکار، ورق ۲۶،لیکن یدِ بیضا ۱۰۳اورم آثرالامراء ۲/ ۸۲۲ میں وفات کا سال ۱۱۰۷ھ درج ہے۔

۲۔ عاقل خان رازی: ثمرات الحیاۃ (مخطوطہ) کرزن کلکشن، شمارہ ۴۴۸، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

۳۔ ایضاً،لٹن ضمیمہ، شمارہ ۱۰۶،علی گڑھ/ نورالحسن انصاری: فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب،دہلی،۱۹۶۹ئ،ص ۵۲۳

۴۔ حضرت برہان الدین راز الٰہی عہد عالم گیری کے ایک معروف بزرگ اور عارف باللہ صوفی تھے۔ وہ شطّاری سلسلہ سے وابستہ تھے، جن کی جائے قیام ریاست گجرات کے مقام برہان پور میں تھی۔ ان کا انتقال اسی مقام پر ۱۰۸۳ھ/ ۱۶۷۲ء کو ہوا۔ (ملاحظہ ہو معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۵ئ/ اسٹوری: پرشین لٹریچر، ۲/ ۵۸۴،لندن ۱۹۷۰ئ)

۵۔ صحیح بخاری: ۱،صحیح مسلم: ۵۰۳۶

۶۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، تفسیر آیت مذکور

☆☆☆

قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت

محترمہ نشاء حلیم

اللہ تعالیٰ کی یہ سنتِ جاریہ رہی ہے کہ اس نے ہر رسول کو کسی نہ کسی معجزہ کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کا مقصد دعویٰ نبوت کی تصدیق رہا ہے۔ دیگر انبیائے کرام کی طرح اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو بھی زمانہ اور مخاطبین کی رعایت سے قرآن مجید کی شکل میں معجزہ عطا کیا۔ آپؐ کے اس سب سے بڑے معجزے کی خصوصیت یہ ہے کہ بار بار تحدّی کے باوجود کفارِ مکہ اس کے جواب میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورہ بھی پیش نہ کر سکے۔ ان کے خطباء اور بلغاء کی کثرت بھی ان کے کام نہ آسکی۔ اس وقت اللہ نے حتمی طور پر اعلان کر دیا:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَ الْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُو اْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرا

(بنی اسرائیل:۸۸)

''کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

قرآن کریم رہتی دنیا تک کے لیے معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس جیسا کلام پیش کرنے کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے اعجاز کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک پہلو اس کا نظم ہے۔

نظمِ قرآن

عربی زبان میں 'نظم' کے معنی تالیف وترتیب اور ایک چیز کو دوسری چیز سے

ملانے اور ضم کرنے کے ہیں۔ چنانچہ نَظَمْتُ اللُّؤلُؤ کا مطلب ہوگا: میں نے موتی کو دھاگے میں پرو دیا۔ 'تنظیم' بھی نظم کے ہم معنیٰ لفظ ہے، اسی سے ہے نَظَّمْتُ الشِّعْرَا ۔ میں نے شعر ترتیب دیا۔ کلام کی ترتیب و تالیف کے لیے 'نظم الکلام' بولتے ہیں۔ کسی اچھی ترتیب کے لیے 'ھذا نظم حسن' کہا جاتا ہے۔ ۲ ۔ اسی معنیٰ میں نظم القرآن کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، یعنی مصحف میں موجود قرآنی عبارت کو ترتیب سے رکھا ۔ ۳ ۔

لہٰذا نظم کے مشترک لغوی معنی ہوئے: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملانا اور ترتیب دینا جیسے موتی کے دانے ایک خاص انداز و ترتیب سے دھاگے میں پروے جاتے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے۔ ۴ ۔ اس علم کی ضرورت اس حقیقت کے پیش نظر بڑھ جاتی ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں، بلکہ توقیفی ہے۔ اس لیے آیات اور سورتوں میں نظم اور ارتباط کا سمجھنا ضروری ہے۔ پورا قرآن از اول تا آخر باہم مربوط ہے، لیکن قرآن حکیم کی آیات و سور میں مناسبات اور روابط کبھی جلی ہوتے ہیں کبھی خفی اور کبھی بہت زیادہ خفی۔ سورتوں کے داخلی نظم میں زیادہ تر ایک مرکزی موضوع کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے، پھر جزئیات اور تفصیلات اس کے ساتھ مربوط اور متصل ہوتی ہے۔ ۵ ۔

نظم قرآن سے متعلق نقطہ ہائے نظر

نظمِ قرآن کے سلسلے میں عام طور سے مفسرین کے تین نقطہ ہائے نظر ہیں اور ان تینوں میں کافی فرق ہے۔

پہلا نقطۂ نظر: پہلے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم چوں کہ تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس میں کوئی ربط و ترتیب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی ہر آیت ایک مستقل مضمون کی حامل ہے۔ اس نقطۂ نظر کی نمائندگی شیخ عزالدین عبدالسلامؒ (م ۶۶۰ھ/ ۱۲۶۰ئ)، علامہ شوکانی (م ۱۲۰۵ھ/

۱۸۳۴ئ) اور شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ئ) جیسے اکابر علم کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ عزّالدین لکھتے ہیں کہ: ''قرآن مجید بیس (۲۰) سال سے زیادہ لمبی مدت میں مختلف حالات کے اندر گوناگوں احکام لے کر نازل ہوا ہے، اس لیے جو چیز اس طرح نازل ہوئی ہو اس میں کسی قسم کا ربط ونظم تلاش کرنا بے سود ہے'' ۶؎

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ: ''تفسیر قرآن کے سلسلے میں بعض مفسرین نے ایک انوکھا اور نیا علم ایجاد کیا ہے، جو نہ صرف غیر ضروری، بے سود اور لاحاصل ہے، بلکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن پر گفتگو کرنے کی ممانعت آئی ہے، یعنی انھوں نے قرآن کی موجودہ آیتوں اور سورتوں میں مناسبت اور ربط بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جو تمام تر تکلّفات پر مبنی ہے اور علانیہ قرآن کے ساتھ ناانصافی ہے'' ۷؎

ہندوستانی علماء میں شاہ ولی اللہ کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن کی جملہ آیتوں اور سورتوں میں نظم وترتیب کی تلاش بے سود ہے، کیوں کہ اہلِ عرب کلام میں اس طرح کے تصنیفی نظم وترتیب سے کلیّۃً ناآشنا تھے جس کا رواج متاخرین کے یہاں ملتا ہے۔ ۸؎

دوسرا نقطۂ نظر: دوسرے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مربوط کلام ہے۔ اس کی موجودہ ترتیب اپنے اندر نہایت حکیمانہ مناسبت اور انتہائی موزونیت رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامیوں میں علامہ ابوبکر نیشاپوری (م ۳۲۴ھ)، قاضی ابوبکر بن العربی (م ۵۴۳ھ)، امام فخرالدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) علامہ زمخشریؒ، علامہ بدرالدین زرکشیؒ، علامہ علی بن احمد ابراہیم المہائمیؒ (م ۸۳۵ھ) علامہ برہان الدین بقاعیؒ (۸۸۵ھ)، علامہ ابن قیمؒ، علامہ ولی الدین ملویؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، علامہ ابوجعفر بن زبیر شیخ ابوحیان (م ۷۰۸ھ) اور مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۲۷ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر: تیسرے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں میں نہ صرف یہ کہ مناسبت پائی جاتی ہے، بلکہ اس کی آیتیں اور سورتیں ایک ایسے جامع اور وسیع نظام کے تحت واقع ہیں جس نے اس کی ہر سورہ کو ایک حکیمانہ خطبہ بنا دیا ہے اور

اس کی چندسو رتوں کے مجموعہ کومربوط ابواب کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اس طرح پورا مجید شروع سے آخر تک بہ لحاظ سورہ بھی اور بہ لحاظ آیت بھی ایک مرتّب، مربوط اور منضبط کلام ہے اور اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم دگر اس طرح پیوست ہیں کہ اگر اس میں سے کسی سورہ کو یا کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورہ کی کسی آیت کو مقدم یا موخر کر دیا جائے تو اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ نظم کا یہ تصور دور جدید کے عظیم مفسر اور ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳-۱۹۳۰ئ) کا ہے۔۹؎

نظم وترتیب کی نوعیت

نظمِ قرآن کے سلسلے میں مفسرین کے یہ تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ان میں بعض اہل علم اسے تکلفِ محض سے تعبیر کرتے ہیں، بعض وہ ہیں جو ہر آیت کو ماقبل سے مربوط قرار دیتے ہیں۔ بعض وہ بھی ہیں جو پورے قرآن مجید کو 'موضوع واحد' قرار دیتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں نظم کی بنیادی طور پر دو اقسام ابھر کر سامنے آتی ہیں:

۱۔ وحدۃ الموضوع، یعنی پورا قرآن کلمۂ واحدہ ہے، اس کی سورتوں اور آیتوں کو ایک مضبوط شیرازے نے اس طرح باندھ رکھا ہے کہ کوئی سورہ یا آیت تو کجا، اس کے ایک لفظ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

۲۔ مناسبت کی دیگر انواع: جیسے نظم بین الآیات (تمام آیتیں باہم دگر متصل اور مربوط ہیں) نظم بین السور (آیات کی طرح تمام سورتیں بھی باہم متصل اور مربوط ہیں)

وحدتِ موضوع

اس نظریہ کو دو انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ پورا قرآن ایک ہی موضوع میں سمٹا ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون ہے۔

۱۔ قرآن مجید کلمۂ واحدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ہی عنوان ہے، جس کے تحت تمام سورتوں اور آیات کو لایا گیا ہے۔ مثلاً بعض علماء کا قول

ہے کہ پورا قرآن سورۂ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔۱۰؎ یا یہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بندے کی دعا ہے کہ خدایا! میری رہنمائی کر۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ رہ نمائی جس کا تو طالب ہے۔۱۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ تمام چیزیں، خواہ ان کا تعلق اقوام سے ہو یا افراد سے،مقامات سے ہو یا واقعات سے،احکام سے ہو یا عبادات سے ، سب ہدایات اور رہ نمائی کی چیزیں ہیں۔اس سے قرآن مجید کا مجموعی نظام اور اس کا کلمۂ واحدہ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا ہے جس کے گرد اس سورہ کی تمام آیات موجود ہوتی ہیں۔اسے سورہ کا عمود کہا جاتا ہے۔مولانا حمید الدین فراہیؒ لکھتے ہیں:

''عمود ہر سورہ کا ایک ہی ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات بہت سی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔مثلاً سورۃ الحجرات کے عمود کو لو۔ ہے ایک ہی بات، گو لغت میں ہم اس کے لیے ایک ہی جامع لفظ نہ پا سکیں۔تعبیرِ مطلب کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ میں بدخلقی پر ملامت اور جھڑکی ہے، عام اس سے کہ وہ بدخلقی خیال سے تعلق رکھتی ہو یا قول سے یا عمل سے۔ چنانچہ اس میں نبی ﷺ کے سامنے گفتگو میں سبقت آپؐ کی آواز پر آواز بلند کرنے، عام آدمیوں کی طرح آپؐ کو پکارنے، بے ضرورت اور بے موقع آپؐ کو زحمت دینے اور کسی فاسق کی اطلاع پر کسی قوم پر ٹوٹ پڑنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ پھر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اصلاح، ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت اور ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے بعد لوگوں کے ساتھ تمسخر سے، ان کی عیب جوئی سے، تنابز بالالقاب سے، بدگمانی سے، تجسس سے، غیبت سے، غرورِ نسب سے، ادعائے پارسائی سے اور پھر سب سے آخر میں، سب سے بدترین شے، یعنی نبی کریم ﷺ پر اپنے اسلام کا احسان دھرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے اس لیے پیش کی ہے کہ تم وحدت میں کثرت کا جلوہ دیکھ سکو۔''۱۲؎

آیات کے مابین ربط ومناسبت

آیات میں ربط ومناسبت کی بنیادی طور پر دوقسمیں ہیں:

۱۔ظاہری ربط ۲۔مخفی ربط

ظاہری ربط

دوآیات کے درمیان بغیر گہرے غوروخوض کے حاصل ہونے والا ربط ظاہری ربط کہلاتا ہے۔ اس صورت میں ایک آیت یا تو جملۂ معترضہ کے طور پر ہوگی، یا ماقبل آیت کا بدل ہوگی، یا اسے تاکید یا تفسیر کے لیے لایا گیا ہوگا، یا وہ کسی دوسرے ظاہری انداز سے مربوط ہوگی۔ ۱۳؎ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر ہو، یعنی بعد کی آیت ماقبل آیت میں پائے جانے والے اجمال کی تفسیر ہو، مثلاً:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً۔إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً۔وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعاً۔(المعارج:۱۹-۲۱)

''بے شک انسان بے صبرا ہے، کہ جب اسے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے دولت ملتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں هَلُوعاً کے لفظ میں پایا جانے والا اجمال اگلی دونوں آیات میں کھولا جارہا ہے کہ انسان کی بے صبری یہ ہے کہ تنگ حالات میں جزع وفزع کرنے لگتا ہے اور فراخی والے حالات میں بخیل ہوجاتا ہے۔

۲۔ دوسری آیت پہلی آیت کی تاکید ہو، جیسے:

وَيَا قَوْمِ مَا لِيْ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِيْ إِلَى النَّارِ۔تَدْعُونَنِيْ لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ۔(المؤمن:۴۱-۴۲)

''اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تمہیں جہنم سے چھڑانا چاہتا ہوں اور تم مجھے اس کی طرف بلا رہے ہو؟ تم مجھے بلاتے ہو، تاکہ میں اللہ

کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں اس چیز کو جسے میں نہیں جانتا ہوں‘‘

ان دو آیات سے ماقبل کی آیات میں یَاقَوْم۔۔۔۔ کے لفظ سے خطاب کیا گیا تھا۔ یہاں پھر یَاقَوْمِ کی تکرار پہلے والی آیات کی تاکید ہے۔ ۱۴؎

اسی آیت میں دوسری تاکید یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلی آیت میں فرمایا: وَتَدْعُونَنِیْٓ إِلَی النَّارِ اور دوسری آیت میں اس کی تاکید ہے: تَدْعُونَنِیْ لِأَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَأُشْرِکَ بِہٖ۔

۳۔ دوسری آیت پہلی آیت کا بدل ہو، جیسے سورہ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنعَمتَ عَلَیْھِم (الفاتحہ:۵)

یہاں پہلی آیت میں لفظ ’صراط‘ کا بدل اگلی آیت میں موجود ہے، جو ماقبل صراط کا مبیّن بھی ہے۔

۴۔ آیت معترضہ ہو، جیسے:

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ۔ وَإِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِیْمٌ۔ إِنَّہٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ (الواقعۃ:۷۵-۷۷)

’’ستارے جہاں ڈوبتے ہیں میں اس کی قسم کھاتا ہوں، تمھیں علم ہوجائے تو یہ بہت بڑی قسم ہے، بے شک یہ عزت والا قرآن ہے‘‘

یہاں یہ بتانا کہ یہ بڑی قسم ہے، جملۂ معترضہ ہے۔ اسی طرح اس آیت میں لَّوْ تَعْلَمُون بھی جملۂ معترضہ ہے۔ کسی بھی کلام میں جملۂ معترضہ لانا کلام کے اسالیبِ نظم ہی کی قسم ہوتی ہے۔

۵۔ دوسری آیت مستثنیٰ ہو۔ یعنی جو حکم پہلی آیت میں ثابت کیا جارہا ہے اگلی آیت میں اس سے استثناء موجود ہو، جیسے:

سَنُقْرِؤُکَ فَلَا تَنسَی۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ ۔ (الاعلیٰ:۶-۷)

’’ہم آپ کو (اچھی طرح قرآن) پڑھا دیں گے، پھر آپ نہیں بھولیں گے،

سوائے اس کے جو اللہ چاہے''۔

یہاں بعد والی آیت میں فَلَا تَنسَى سے استثناء ظاہر ہے۔

ظاہری ربط کی اور بھی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں، جیسے کسی سوالِ مقدّر کا جواب یا سابقہ بیان کا تکملہ وتتمہ وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں ربط بالکل ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ادراک کے لیے کسی خاص محنت اور تدبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مخفی ربط:

آیات کے مابین ایسا ربط جو لفظوں سے واضح نہ ہو رہا ہو، بلکہ معنوی طور پر سمجھ میں آ رہا ہو، ربطِ مخفی کہلاتا ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو دوسری آیت ماقبل آیت پر معطوف ہوگی یا معطوف نہ ہوگی۔ اگر وہ ماقبل پر حروفِ عاطفہ میں سے کسی حرف کے ذریعے معطوف ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو معطوف علیہ کا ہے، جیسا کہ عطف میں ہوتا ہے۔ نیز ان کے درمیان جمع کرنے والی کوئی صورت بھی ہو، جیسے تضاد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا (الحدید: ۴)

''وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے''

اس آیت میں ولوج (داخل ہونے) اور خروج (نکلنے) یا نزول (اترنے) اور عروج (چڑھنے) کے مابین تضاد پایا جاتا ہے۔ اور سماء اور ارض کے مابین 'شبہ تضاد' موجود ہے۔ اسی طرح جہاں عذاب کے بعد رحمت کا اور 'رہبت' (خوف دلانے) کے بعد رغبت (ترغیب دینے) یا دوزخ کے بعد جنت کا ذکر کیا جاتا ہے، وہاں بھی دونوں کے درمیان رابطہ تضاد کا ہی ہوتا ہے۔

لیکن اگر دوسری آیت پہلی آیت پر معطوف نہ ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ کوئی قوی وجہ اتصالِ کلام کا علم پیدا کرنے والی وہاں پائی جاتی ہو۔ یہ وجوہ معنوی (مخفی) قرینے

ہوتے ہیں جو ربطِ کلام کو بتاتے ہیں اور انھیں غور وتدبر کے ذریعہ ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ معنوی رابطے وقرینے کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً مخفی رابطہ وقرینہ کے یہ اسباب ہو سکتے ہیں: تنظیر، مضادہ، استطراد، حسن تخلص۔ ذیل میں ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

تنظیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نظائر کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ نظیر اور مثال لانے کے لیے کسی حرفِ عطف یا ظاہری رابطہ کی ضرورت نہیں پڑتی، کلام خود بخود بتا دیتا ہے کہ یہ پچھلے کلام کی نظیر اور مثال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ۔ (الانفال:۵)

یہ آیت أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال: ۴) کے بعد آئی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں مجاہدین کو انعام دینے کی ناپسندیدگی کو خروج للجہاد کی نفرت وحقارت کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ ۱۵؎

مضادّہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد بیان کی جائے، کیوں کہ چیزوں کی وضاحت ان کی ضد سے بھی ہوتی ہے۔ کہا گیا ہے: وبضدھا تتبین الاشیاء مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیات میں اہلِ ایمان کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کے بعد آیات چھ(۶) تا بیس (۲۰) میں ایمان نہ لانے والے گروہ کا حال بیان ہوا ہے اور ان کے ایمان نہ لانے کے اسباب اور ذہنی وفکری الجھنوں کا ذکر ہے۔ اس طرح اہل کفر و نفاق کی تصویر کشی سے اہل ایمان کی صورت حال کی عکاسی مزید تاب ناک اور دل کش ہوگئی ہے۔

استطراد: یعنی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آجائے۔ مثال کے طور پر سورۂ اعراف میں ہے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ (آیت ۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے پردہ

دار بدن کو چھپاتا ہے اور باعث زینت ہے۔''

یہاں حقیقی لباس کے ساتھ 'لباسِ تقویٰ' کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استطراد کی مثال ہے۔

حسن التخلص: یعنی ایک بات یا مضمون مکمل کرنے کے بعد دوسرے مضمون کی طرف اس خوبی کے ساتھ منتقل ہونا کہ سامع کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے کہ اب دوسری بات بیان کی جا رہی ہے۔

اس کی عمدہ مثال یہ ہے کہ سورۂ شعراء کی آیات ۶۹ تا ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی قوم کے خود ساختہ معبودوں کی بے بضاعتی ظاہر کر کے اپنی قوم سے اعلان براءت کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعرائ: ۷۷) یہاں تخلیص کے اسلوب کو استعمال کرتے ہوئے نہایت خوب صورتی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا رخ ان معبودانِ باطل سے اپنے ربِ حقیقی کی طرف پھیر دیا، پھر اس کے وہ اوصاف گنائے جن کی بنا پر وہ عبودیت کا حق دار اور اس بات کا سزاوار ہے کہ اسی سے لَو لگائی جائے اور اسی سے استعانت طلب کی جائے۔

سورتوں کے درمیان ربط و نظم

سورتوں کے درمیان ربط و تعلق کی بھی کئی شکلیں ہیں۔ جس طرح قرآن مجید کی آیات کے درمیان باہمی ربط و مناسبت پائی جاتی ہے، اسی طرح سورتوں کے درمیان بھی باہمی ربط و مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ مناسبت کئی طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ آغازِ سورت کا ماقبل سورت کے اختتام سے ربط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ میں جب بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ مجھے صراط مستقیم کی ہدایت دے (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔۔۔) تو فوراً سورۂ بقرہ کا آغاز الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ سے کیا گیا کہ یہ قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ۱۶

۲۔ فواتحِ سور اور ان کے خاتمہ کی آیات کے مابین بھی ربط پایا جاتا ہے، مثلاً

سورۂ مومنون کا آغاز اس آیت سے ہوا ہے: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ ایمان والے فلاح پاگئے) اور سورہ کا خاتمہ اس آیت پر ہوا ہے: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری سورہ کا مضمون فلاح ہے اور اہل ایمان کے لیے اس کا اثبات اور کافروں کے حق میں اس کی نفی کی گئی ہے۔

۳۔ بسا اوقات ایک سورت جن کلمات سے شروع ہوتی ہے ان کا اگلی سورت کے ابتدائی کلمات سے ایک خاص ربط ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ اسراء کا آغاز 'سبحان' سے کیا گیا، اسی طرح اگلی سورہ (سورہ الکہف) کا آغاز 'الحمد' سے کیا گیا۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ تسبیح ہمیشہ تحمید پر مقدم ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ ۱۷

غرض جب کوئی آیت کسی دوسری آیت کے ساتھ ملائی جاتی ہے تو اس میں گوناگوں مناسبتیں ہوتی ہیں۔ ہر ترکیب اور ترتیب اپنے اندر نظم کا ایک نیا جلوہ اور حسن و جمال کا نیا رنگ رکھتی ہے۔ سورتوں کے تمام مضامین اپنے مرکزی موضوع سے منسلک ہوتے ہیں۔ ان تمام وجوہ و مناسبات کی معرفت سے قرآن حکیم کے اعجاز، بلاغت، معانی، نظمِ کلام اور عظمتِ اسلوب کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے۔

تجزیہ

اوپر کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں نظم وترتیب کے متعلق پہلا نقطۂ نظر ضعیف ہے۔ ایک ایسی کتاب جو انسانی زندگی میں ہمہ جہت انقلاب پیدا کرنے کے لیے آئی ہو اور جس کی اولین مخاطب وہ قوم ہو جو فصاحت وبلاغت میں اپنے سوا دوسری قوموں کو عجم کہتی ہو، وہ صرف چند منتشر احکام اور بکھرے ہوئے قوانین کا مجموعہ ہو۔ کیا عربوں کے اندر یہ انقلاب، جس نے انھیں زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی وسعتوں تک پہنچا دیا تھا، بغیر دلوں کی دنیا بدلے آ گیا تھا؟ اور کیا دلوں کا یہ انقلاب چند منتشر اور غیر مربوط احکام کے ذریعہ ممکن ہے؟ دوسرا نقطۂ نظر پہلے نقطۂ نظر کی

عین ضد ہے۔ یہ قرآن کو ایک منظم اور مربوط کلام سمجھتا ہے اور اس ترتیب میں حکیمانہ مناسبت کا قائل ہے۔ لیکن اس نقطۂ نظر کے حامیوں نے آیتوں کے درمیان محض تناسب کے علم کو ہی کافی سمجھا اور اسی پر قانع ہوگئے۔ اس طرح یہ علم ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکا۔ تیسرا نقطۂ نظر وہ ہے جو پورے قرآن کو منظم اور مربوط تسلیم کرتا ہے۔

جن علماء نے ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کے نظم وارتباط کو سمجھنے کی کوشش کی، ان کی جو آراء اوپر نقل کی گئی ہیں ان سب پر نظر ڈالنے سے قرآن میں چار طرح کا نظم معلوم ہوتا ہے: (۱) پورا قرآن از اول تا آخر ایک مربوط و مسلسل کلام ہے (۲) ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جس سے اس کی تمام آیات مربوط ہوتی ہیں (۳) تمام آیات کے درمیان گہرا ربط و اتصال پایا جاتا ہے (۴) تمام سورتیں باہم دیگر مربوط و متعلق ہیں۔ نظم و ربط کے یہ چاروں پہلو مل کر قرآن مجید کا ایسا جلوہ پیش کرتے ہیں کہ زبان بے اختیار پکار اٹھتی ہے: ماھذا قول البشر۔

لیکن یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں میں نظم وترتیب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر علماء کی نگاہ سے یہ نظم پوشیدہ رہا؟ جو علماء نظم کے قائل تھے وہ بھی اپنی جملہ مساعی کے باوجود قرآن کی جملہ سورتوں میں نظم وترتیب کو ایک واضح حقیقت کے طور پر دکھانے سے قاصر رہے اور یہ صورت ہنوز برقرار ہے۔ اس کی دو بڑی وجہیں ہیں: ایک وجہ قرآن حکیم کا اسلوبِ بیان ہے، جو عربِ قدیم کے نہج سے مطابقت رکھتا ہے۔ قدمائے عرب اپنے کلام میں ادباء متاخرین کی طرح کا نظم اور تسلسل ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ وہ صرف ایجاز اور اختصار کو اپنے کلام کی خوبی سمجھتے تھے۔ مفرد مضمون اور مستقل کلام کا طریقہ ان کے یہاں عام تھا۔ جزئیات کے بیان میں معنیٰ خیز اشاروں سے کام لیتے اور ایماء (اشارہ) کو تفصیل اور صراحت پر ترجیح دیتے تھے، تاکہ تخیل مطلوبہ اثر خود حاصل کرلے۔ قرآن کریم کا طرزِ نگارش اسی نہج کا مظہر ہے، جس کی وجہ سے عام اذہان تو کجا، نہایت ذہین لوگ بھی بسا اوقات اس کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔ جہاں تک قرآن مجید کی تذکیری تعلیمات کا تعلق ہے وہ بالکل واضح اور مفصل ہیں: وَلَقَدْ

یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّکِرٍ (سورۂ قمر: ۴۰)، لیکن کتاب کا وہ حصہ، جو حقائق ومعارف پر مشتمل ہے، تدبر کے بغیر نا قابل فہم ہے۔

نظم وترتیب اور مناسبت وموافقت کی یہ دشواری اہلِ عرب کو پیش نہ آئی۔ انہوں نے قرآن کے لطیف سے لطیف اشارات اور مخفی سے مخفی کنایات بھی سمجھ لینے میں کوئی زحمت محسوس نہ کی، کیوں کہ وہ اہلِ زبان تھے، اپنے گردوپیش سے اچھی طرح باخبر تھے اور حالات ومسائل پر بہ خوبی نظر رکھتے تھے۔ اب اگر ہم ربط ونظم کی باریکیوں کو سمجھنے کی اور کلام کے منطقی تسلسل کے ادراک کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں زبان کی اجنبیت دور کرنی پڑے گی اور ذہنی وفکری ارتقاء کے ذریعہ اس بُعد زمانی پر غالب آنا پڑے گا جو ہمارے اور قرآن کے زمانۂ نزول کے درمیان حائل ہے۔ ۱۸؎

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے اجزاء اور اس کی ترکیب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اجزاء کا علم بہت آسان ہوتا ہے، لیکن ترکیب کے علم کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ نظم کا علم درحقیقت ترکیب کا علم ہے۔ یہ صرف یہی نہیں بتاتا کہ فلاں آیت سے فلاں آیت کا کیا جوڑ ہے، بلکہ اس کا اصلی مقصد دین واخلاق کے اجزاء کے باہمی ربط کو واضح کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد ایک نہایت اعلیٰ مقصد ہے۔ یہی چیز ہے جس کو حکمت کہتے ہیں۔ حکمت بہرحال ایک مخفی خزانہ ہے، جس کے حاصل کرنے کے لیے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف یہ جاننا چاہے کہ قرآن نے عملی زندگی کے لیے کیا احکام دیے ہیں تو اس کے لیے اسے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص دین کی حکمت معلوم کرنا چاہے تو اسے بہرحال قرآن کے اندر معتکف ہونا پڑے گا۔ ۱۹؎

حواشی ومراجع

۱؎ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۹۵۶، مادہ ن ظ م۔ السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس دار لیبیا، ۱۹۹۶ئ، مادہ ن ظ م، علامہ مجدالدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، لکھنؤ، مادہ ن ظ م۔

۲۔ الزمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۵ئ، مادہ ن ظ م۔
۳۔ المعجم الوسیط، کتب خانہ حسینیہ، دیو بند یوپی، مادہ ن۔ظ۔م
۴۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع الریاض، طبع سوم، ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ئ، ص ۹۶
۵۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، دار العلم للملایین بیروت، طبع پنجم، ص ۱۵۲
۶۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، حوالہ بالا، ص ۹۷، البرہان، ص ۳۷، الاتقان، ص ۱۰۸
۷۔ محمد بن علی محمد الشوکانی، فتح القدیر الجامع بین الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، مطبعۃ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۸۳ھ، طبع دوم، جلد اول، ص ۲۷
۸۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ اردو ترجمہ: مولوی رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی، ص ۶۔۷
۹۔ نظم قرآن سے متعلق تینوں نقطہ ہائے نظر کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: قرآن مجید میں نظم و ترتیب (ایک تجزیاتی مطالعہ) ڈاکٹر راشد ایوب اصلاحی، مکتبہ البلاغ نئی دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۰۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی دہلی، ج ۱ ص ۲۰، مولانا حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ئ، ص ۴۷
۱۱۔ تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ج ۱، ص ۲۴
۱۲۔ مولانا حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، ص ۴۷
۱۳۔ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱۰۸
۱۴۔ آلوسی، شہاب الدین السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، ج ۱ ص ۲۷
۱۵۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان، ج ۲، ص ۱۰۹
۱۶۔ بدرالدین زرکشیؒ، البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۹۵ئ، طبع اول، ج ۱، ص ۸
۱۷۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۳۹
۱۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: امین احسن اصلاحی، مقدمہ تدبر قرآن، ص ۲۲۔۲۳
۱۹۔ حوالہ سابق، ص ۲۳

☆☆☆

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحدیدِ ازواج کے پابند تھے؟

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے افکار کا جائزہ)

ڈاکٹر حافظ افتخار احمد

برصغیر پاک و ہند کے جن فرزندانِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ متین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا، ان کے نام کو سند کا درجہ ملا اور ان کے کام اور خدمتِ اسلام کو قبول عام بھی حاصل ہوا، ان میں ایک نہایت ہی محترم نام جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری زندگی اسلام کی ترجمانی، تبلیغ، تحقیق اور تالیف کے لیے وقف کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو متعدد زبانوں پر قدرت عطا فرمائی تھی جن میں انھوں نے اپنی تحقیقات سپردِ قلم کی ہیں۔ ان میں اردو، فارسی، انگریزی، عربی، فرانسیسی، جرمنی اور اطالوی زبانیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء کو کوچہ حبیب علی شاہ صاحب کٹل منڈی حیدرآباد دکن (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی، پھر مدرسہ دارالعلوم (حیدرآباد دکن) میں داخلہ لیا۔ ایک سال جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن میں بھی تعلیم حاصل کی اور جامعہ عثمانیہ میں انٹرمیڈیٹ میں داخلہ لیا۔ اسی جامعہ سے بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اور ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ حصولِ علم کا شوق اور تحقیق و جستجو کا ذوق ڈاکٹر صاحب کو متعدد ممالک لے گیا۔ انھوں نے پی ایچ ڈی کے لیے جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا، لیکن جامعہ کی اجازت سے بون یونی ورسٹی جرمنی میں اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان 'اسلام کا بین الاقوامی قانون' جمع کرایا، اور ۱۹۵۳ء میں ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ یورپ سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے

تک جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد میں لیکچرار رہے۔ اس کے علاوہ جرمنی اور فرانس کی جامعات میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ وہ فرانس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹیفک ریسرچ (Center National de La Recherche Scientifique) سے تقریباً بیس سال تک وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ یورپ اور ایشیا کی متعدد جامعات میں آپ نے توسیعی خطبات دیے۔

سیرت نبوی اور قانون بین الممالک ڈاکٹر صاحب کی خاص دلچسپی کے موضوعات تھے۔ ان کی ۱۵۷ر کتابیں اور ۱۰۰۰ (ایک ہزار) سے زائد مقالات اب تک طبع ہو چکے ہیں اور کئی کتب و مقالات اب تک غیر مطبوعہ بھی ہیں، جن میں انگریزی اور جرمن زبان میں تراجم قرآن مجید خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ہر کتاب اہل علم کے لیے ایک انمول تحفہ ہے، لیکن درج ذیل کتب غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن مجید۔ ۲۔فرانسیسی زبان میں سیرت النبی ﷺ۔۳۔ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی و الخلافۃ الراشدۃ۔ ۴۔صحیفۂ ھمام بن منبہ۔ ۵۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔۶۔ عہد نبوی میں نظامِ حکم رانی۔

رسول اللہ ﷺ کی ازدواجی زندگی پر ڈاکٹر حمید اللہ کا مقالہ

ڈاکٹر صاحب کا ایک عربی مضمون بعنوان: **ھل خالف النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام أو امر الآیۃ: مثنی و ثلاث و رباع؟** ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ترجمان سہ ماہی مجلہ 'الدراسات الاسلامیۃ' اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۹ئ/محرم-ربیع الاول ۱۴۰۸ھ، جلد ۲۴، شمارہ ۴ میں شائع ہوا ہے۔ ذیل میں اس مضمون کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ رسول اکرم ﷺ کی مدینہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد سورۃ النساء نازل ہوئی، جس میں حکم دیا گیا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِيْ الْيَتٰمٰى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلاَّ تَعُولُواْ (النسائ:۳)

''اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرلو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو، تین تین، چار چار، پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔ اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے''۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ڈاکٹر صاحب نے اس کے ذیل میں لکھا ہے:

''آیت کا ظاہر تو اباحت کے لیے ہے، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر تحدید کے معنی میں فرمائی ہے، کیوں کہ یہ ان کا فرض منصبی تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر ان کے نکاح میں چار سے زائد عورتیں ہیں تو ان کو طلاق دے دیں۔ مفسرین و مؤرخین جیسے ابن کثیرؒ وغیرہ نے ان صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں جن کے نکاح میں پانچ سے دس عورتیں تھیں، چنانچہ انہوں نے (حکم الٰہی کی تعمیل میں) چار سے زائد عورتوں کو طلاق دے دی''۲۔

یہ 'تحدید' کس کے لیے تھی؟ صرف امت کے لیے؟ یا اس کا اطلاق خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوتا تھا؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تحدید امت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی تھی:

''اس (سورۃ النساء کی آیت ۳) کے نزول کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ جس بات کا حکم (چار سے زائد عورتوں کو طلاق) آپ نے مسلمانوں کو دیا خود بھی اپنی ازواج کے بارے میں اس پر عمل کیا یا نہیں؟ ممکن ہے کہ یہ آپ کا اختصاص ہو اور اس (اختصاص) میں کوئی مانع بھی نہیں ہے، کیوں کہ قرآن پاک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ازواج کی حلّت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ' (الاحزاب:۱۰) یا ممکن ہے کوئی اور چیز ہو؟ اور مسئلے کی اہمیت تو ظاہر ہے''۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی کوشش کا ذکر کرتے ہیں کہ: ''میں نے اس مسئلے میں بہت تحقیق کی ہے اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن مجھے اب تک اس بارے میں صراحت سے کچھ نہیں ملا۔لیکن اس موضوع پر کافی اشارے اور مواد ملا ہے، جس سے بغیر کسی تذبذب کے مسائل کا استنباط ممکن ہے''۳؎

آگے ڈاکٹر صاحب اپنے استنباطات کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے 'آیتِ تحدیدِ زوجات' کے نزول کے فوراً بعد یکے بعد دیگرے اپنی تمام ازواج مطہرات کو یہ بات پہنچا دی کہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو چار سے زائد بیویوں کی اجازت نہیں دیتا۔لہٰذا ان (خود رسول اکرم ﷺ) پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنی نو (۹) میں پانچ بیویوں کو طلاق دے دیں۔لیکن رسول اکرم ﷺ از خود کسی کو طلاق نہیں دینا چاہتے تھے، کیوں کہ ایسا کرنے سے جس کو طلاق دی جاتی اس کے لیے ایک عیب ہوتا۔اس لیے آپؐ نے ازواج مطہرات سے مطالبہ کیا کہ وہ خود اپنے میں سے ایسی چار کو متعین کردیں جو آپ کے عقد میں رہیں اور باقی پانچ آپ سے علیٰحدگی اختیار کرلیں۔ان علیٰحدگی اختیار کرنے والی ازواج مطہرات کی تادمِ حیات معاشی کفالت آپؐ کرتے رہیں گے''۔۴؎

معاشی کفالت کی وجہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے یہ بیان کی ہے:

''ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ آپ کی بیویاں ہیں۔دوسری یہ کہ وہ ازواج مطہرات ہونے کی وجہ سے مؤمنین کی مائیں ہیں۔تیسری کہ ازواج مطہرات ہونے کے ناطے کسی مسلمان کا ان سے کبھی بھی نکاح نہیں ہوسکتا''۔۵؎

آگے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

''یہ بات بالکل بدیہی اور ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی ایک بھی آپؐ سے علیٰحدگی اختیار کرنے اور ام المؤمنین کے رتبے سے تنازل پر راضی نہ ہوئیں۔اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ جب رسول اکرم ﷺ اس مسئلے کو حل نہ کرسکے (یعنی کسی چار ازواج

کا انتخاب) تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ یہ تمام ازواج مطہرات آپ کے عقد میں رہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آپ صرف چار کے ساتھ ازدواجی تعلقات رکھیں۔ چنانچہ سب ازواج مطہرات نے آپؐ کے اس فیصلے کو قبول کرلیا اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر خوش ہوئیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے ان میں سے چار کو اختیار فرمایا''۔۶

آگے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''جب رسول اکرم ﷺ نے محسوس فرمایا کہ ازواج مطہرات نے زوجیتِ رسول سے تنازل کو ناپسند کیا ہے تو یہ بات آپ پر گراں گزری۔ لہٰذا آپ نے اجتہاد فرمایا اور 'اہون الامرین' کو اختیار فرمایا۔ آپ نے اختیار تو چار ہی کو کیا، لیکن وہ اس طرح کہ ایک مہینہ چار بیویوں کے ساتھ گزارا اور دوسرا مہینہ دوسری چار بیویوں کے ساتھ۔ اس کا اشارہ، بلکہ صراحت قرآن کی اس آیت میں موجود ہے: وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا (الاحزاب:۵۱)۔''تم ان میں سے جن کو چاہو دور رکھو، اور ان میں سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھو۔ اور اگر تم ان میں سے کسی کے طالب بنو جن کو تم نے دور کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس بات کے قرین ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم گین نہ ہوں اور وہ اس پر قناعت کریں جو تم ان سب کو دو۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ علم رکھنے والا اور بردبار ہے''۔ (ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی)

لیکن مشیتِ الٰہی رسول اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا اجتہاد کے موافق نہ ہوئی تو یہ آیت نازل فرمائی: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا۔ (الاحزاب:۵۲)

''ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کی جگہ دوسری بیویاں کرلو، اگرچہ ان کا حسن تمہارے لیے دل پسند ہو۔ بجز ان کے جو

تمہاری مملوکہ ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے‘‘۔(ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی)

لہٰذا اس حکم کے نزول کے بعد آپؐ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے چار کو بطور بیویوں کے، جس میں ان کے حقوق زوجیت، اخلاقی اور مادی شامل تھے، اختیار فرمایا اور وہ چار تو آپ کی بیویاں تھیں۔ باقی پانچ آپ کے حبالۂ زواج میں رہیں، لیکن انھیں تمام ازدواجی حقوق حاصل نہیں تھے، بلکہ وہ صرف اعزازی بیویاں تھیں۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ نے سورۃ النساء کی تیسری آیت ’مثنیٰ و ثلاث و رباع‘ میں مذکور تحدیدِ زوجات کی مخالف نہیں کی‘‘ ۷۔

یہ ہے ڈاکٹر صاحب کے نقطۂ نظر کا خلاصہ۔ انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں محمد بن حبیب البغدادی کی کتاب المحبر (ص: ۹۲) سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ نیز صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے آیت تخییر (الاحزاب: ۳۰) کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایات ذکر کی ہیں کہ انہیں رسول اکرم ﷺ نے آیتِ تخییر کے نزول کے بعد سب سے پہلے اختیار دیا تو ان کا جواب یہ تھا: **فانی أرید اللہ و رسولہ و الدار الآخرۃ**۔ (میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں)۔ ساتھ ہی انھوں نے تفسیر طبری سے بھی ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس میں واقعۂ ایلاء کا ذکر ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب نے رسول اکرم ﷺ کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا ہے، لیکن انھیں صرف فرائض تک محدود کر دیا ہے اور حقوقِ مادیہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ انھوں نے مثال یہ دی ہے کہ عام اہل ایمان پر پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیں، لیکن نبی علیہ السلام پر تہجد کو بھی فرض کیا۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے، سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۱ کا نزول سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ (مثنیٰ و ثلاث و رباع) سے پہلے ہوا ہو۔ اور ایسا اس لیے ہوا تاکہ رسول کی ذات گرامی مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ثابت ہو۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے چار بیویوں پر اکتفا کرنے کا مطالبہ کرنے سے پہلے خود بھی چار بیویوں پر اکتفا کیا۔ ۸۔

تحدیدِ ازواج کا حکم صرف امت کے لیے ہے

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ (مثنیٰ و ثلاث ورباع) میں تحدیدِ ازواج کا حکم صرف امت کے لیے ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس بات پر شیعہ کے ایک گروہ کے سوا پوری امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

'' 'مثنیٰ وثلاث ورباع' یعنی ان عورتوں کے سوا جن سے چاہو نکاح کرلو، دو یا تین یا چار، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جَاعِلُ الْمَلٰئِكَةِ رُسُلًا اُوْلِیٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر:۱) اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بعض فرشتوں کے دو پر ہوتے ہیں، بعض کے تین اور بعض کے چار۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ فرشتوں کے چار سے زیادہ پر نہیں ہوسکتے۔ لیکن اس آیت کی رو سے مردوں کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور علماء کا خیال ہے۔ اس لیے کہ یہاں احسان اور اباحت کا مضمون ہے۔ اس لیے اگر چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز ہوتا تو اس کا تذکرہ ضرور کیا جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کہ آپؐ کے علاوہ کسی شخص کے لیے چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز نہیں تھا۔ یہ بات امام شافعیؒ نے کہی ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، سوائے شیعہ کے ایک گروہ کے، جو کہتے ہیں کہ چار سے زائد نو عورتوں تک سے نکاح جائز ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ عورتوں سے نکاح کیا، تیرہ عورتوں سے صحبت کی، آپؐ کے پاس گیارہ عورتیں رہیں اور آپؐ کی وفات کے وقت نو عورتیں زندہ تھیں۔ علماء کے نزدیک یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے''۔ ۹؎

تحدیدازواج کا حکم صرف امت کے لیے ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی، اس وقت غیلان بن سلمہ الثقفی کی دس، عمیرہ الأسدی کی آٹھ اور نوفل بن معاویہ الدیلمی کی پانچ بیویاں تھیں۔ آپؐ نے، باوجودیہ کہ وہ سب کی سب اپنے

خاوندوں کے ساتھ حلقہ بہ گوش اسلام بھی ہوگئی تھیں، ان کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے صرف چار کو اختیار کرلیں اور باقی کو طلاق دیدیں ۱۰۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

''وجہِ استدلال یہ ہے کہ اگر چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان عورتوں کے اسلام لانے کے بعد ان کو نکاح میں باقی رکھنے کی اجازت مرحمت فرماتے، لیکن جب آپ نے صرف چار عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنے اور بقیہ کو چھوڑ دینے کا حکم دیا تو اس سے ثابت ہوا کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنا کسی حال میں جائز نہیں ہے''۔ ۱۱

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات

جس طرح چار سے زائد بیویوں کی اجازت رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے، اسی طرح کی ایک خصوصیت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے: **وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ** (آیت ۵۱)۔ اس آیت کی رؤ سے اگر کوئی عورت اپنے آپ کو رسول اکرم ﷺ کے لیے ہبہ کردے تو وہ آپ کے لیے بغیر مہر، بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے جائز تھی۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: ''یعنی اے نبی! آپ کے لیے جائز ہے کہ اگر کوئی مومن عورت اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کردے تو آپ بغیر مہر کے اس سے نکاح کرسکتے ہیں''۔ ۱۲

آگے ابن کثیرؒ نے 'خالصة لک من دون المؤمنین' کی تفسیر میں حضرت عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے:

''عکرمہ کہتے ہیں: یعنی اے پیغمبر! آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو ہبہ کردے۔ وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک جائز نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ مہر نہ دے دے۔ یہی مجاہدؒ اور شعبیؒ وغیرہ نے بھی کہا ہے۔ لیکن آپؐ کے لیے

ایسا ضروری نہیں تھا، بلکہ آپ موہوبہ عورت کو اپنے نکاح میں بغیر مہر، ولی اور گواہوں کے لے سکتے تھے، جیسا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے واقعہ میں ہوا''۔ ۱۳؎

''قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم'' کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے ابی بن کعب، مجاہد، حسن، قتادۃ اور ابن جریر کا یہ قول نقل کیا ہے:

''یعنی آپ کی امت کے لیے زیادہ سے زیادہ چار آزاد عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ ان کے لیے ولی، مہر اور گواہوں کی بھی شرط ہے۔ لیکن آپ کے لیے اس معاملے میں رخصت ہے۔ آپ پر ہم نے ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں کی ہے''۔ ۱۴؎

ڈاکٹر صاحب نے اگر چہ اس خصوصیت کے امکان کا ذکر سرسری طور پر کیا ہے، لیکن اس کو قبول نہیں کیا۔ کیوں کہ اگر اس کو ایک بار خصوصیتِ رسول تسلیم کر لیا جائے تو ڈاکٹر صاحب کے استدلال کی پوری عمارت ہی ڈھ جاتی اور تحدید ازواج کے لیے انھیں اتنا زور نہ لگانا پڑتا جتنا زور انھوں نے لگایا ہے۔ اور نہ ازواج مطہرات کے لیے تخییر کو تحدید ازواج کے ساتھ منسلک کرنا پڑتا، کیوں کہ تخییر کا سبب وہ تو ہر گز نہیں ہے جس کا ذکر موصوف نے کیا ہے۔ اور نہ اس کے لیے ازواج مطہرات کے بارے میں اس قسم کی تقسیم کی ضرورت پیش آتی جو ڈاکٹر صاحب نے کی ہے کہ چار تو آپ کی حقیقی بیویاں تھیں اور باقی آپ کی اعزازی بیویاں۔ ازواج مطہرات کے بارے میں یہ موقف اسلامی تاریخ میں موصوف سے قبل کسی اہل علم و دانش نے اختیار نہیں کیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی آیت: 'خالصة لک من دون المؤمنین' کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یعنی یہ چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت خاص تمہارے لیے ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے''۔ ۱۵؎

سورۂ نساء کے نزول کے وقت صرف چار ازواجِ مطہرات تھیں

مقالہ نگار نے اس بات کا دعوی کیا ہے کہ: ''سورۃ النساء کے نزول کے وقت رسول اکرم ﷺ کے عقد میں نو بیویاں تھیں''۔ اس دعویٰ کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ سورۃ النساء کب نازل ہوئی ؟ کن حالات اور کس سن میں نازل ہوئی؟ اور اس سورت کے نزول کے وقت آپ کے عقد میں کتنی بیویاں تھیں؟

اتنا تو بالکل واضح ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۹۲ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ سورۂ نساء جب نازل ہوئی اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی۔ وہ کہنا یہ چاہتی ہیں کہ ان کی رخصتی ہو چکی تھی۔ اسے نقل کرنے کے بعد علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ: علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہجرت مدینہ کے بعد ہوگئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ نساء کے مدنی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے''۔ ۱۶؎

سورۂ نساء مدنی دور کے متعین کس سن میں نازل ہوئی اس کی صراحت عموماً مفسرین نے نہیں کی، البتہ مولانا سید ابو الاعلی مودودی (م ۱۹۷۹ئ) نے اس سورت کی تفسیر کے آغاز میں اس کے زمانۂ نزول کو چند قرائن و واقعات کی روشنی میں متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ سورۃ متعدد خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً ۳ہجری کے اواخر سے ۴ہجری کے اواخر یا ۵ ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہیں۔ اگر چہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ کس مقام تک کی آیات ایک سلسلۂ تقریر میں نازل ہوئی ہیں اور ان کا ٹھیک زمانۂ نزول کیا ہے؟ لیکن بعض احکام اور واقعات کی طرف بعض اشارے ایسے ہیں جن کے نزول کی تاریخیں ہمیں روایات سے معلوم ہوجاتی ہیں، اس لیے ان کی مدد سے ہم ان مختلف تقریروں کی ایک سرسری سی حد بندی کر سکتے ہیں جن میں یہ احکام اور اشارے واقع ہوئے ہیں، مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ وراثت کی تقسیم اور یتیموں کے حقوق کے متعلق ہدایات جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھیں، جب کہ مسلمانوں کے ستّر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے تھے اور مدینے کی چھوٹی سی بستی میں اس حادثے کے بعد یہ سوال ہوگیا تھا کہ شہداء کی میراث کس طرح تقسیم کی جائے؟ اور جو یتیم بچے انھوں نے چھوڑے ہیں ان کے مفاد کا تحفظ کیسے ہو؟ اس بنا پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ابتدائی چار رکوع اور پانچویں رکوع کی پہلی تین آیتیں اسی زمانے

میں نازل ہوئی ہوں گی ۔ روایات میں صلوٰۃ خوف (عین حالت جنگ میں نماز پڑھنے) کا ذکر ہمیں غزوۂ ذات الرقاع میں ملتا ہے جو ۴ھ میں ہوا ۔اس لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کے لگ بھگ زمانے میں وہ خطبہ نازل ہوا ہوگا جس میں اس نماز کی ترکیب بیان کی گئی ہے ۔ مدینہ سے بنی نضیر کا اخراج ربیع الاول ۴ ہجری میں ہوا، اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ وہ خطبہ اس سے قریبی زمانے ہی میں نازل ہوا ہوگا جس میں یہودیوں کو آخری تنبیہ کی گئی ہے کہ :''ایمان لے آؤ قبل اس کے ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں''۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کی اجازت غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر دی گئی جو ۵ھ میں ہوا۔ اس لیے وہ خطبہ جس میں تیمم کا ذکر ہے اس سے متصل عہد کا سمجھنا چاہیے''۔ ١٧؎

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ النساء کے نزول کا زمانہ ۳ھ کے اواخر سے ۵ھ کے درمیان ہے۔ اب دیکھا جائے کہ ۵ھ تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں کتنی ازواج مطہرات تھیں؟

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے امہات المؤمنین کے تاریخی حالات پر مشتمل ایک جدول دیا ہے۔ اس سے ہم ان کے سنین نکاح کو نقل کرتے ہیں ۔

نمبر شمار	نام ازواج مطہرات	سنہ نکاح	نمبر شمار	نام ازواج مطہرات	سنہ نکاح
۱	خدیجہ الکبریٰؓ	۲۵ سنہ میلاد النبی	۷	زینب بنت جحشؓ	۵ سنہ ھ
۲	سودہؓ	۱۰ سنہ نبوت	۸	جویریہؓ	شعبان ۵ سنہ ھ
۳	عائشہ صدیقہؓ	نکاح ۱۱ نبوت رخصتی ۷ شوال ۱ھ	۹	ام حبیبہؓ	۶ سنہ ھ
۴	حفصہؓ	شعبان ۳ سنہ ھ	۱۰	صفیہؓ	۷ھ جمادی الاخریٰ
۵	زینب بنت خزیمہؓ	۳ سنہ ھ	۱۱	میمونہؓ	۷ سنہ ھ ذی قعدہ
۶	ام سلمہؓ	۴ سنہ ھ			

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵ھ تک رسول اکرم ﷺ کے عقد میں صرف چار عورتیں تھیں، کیونکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بن خزیمہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ دوسرے الفاظ میں سورۂ نساء میں نازل شدہ حکم (تحدید ازواج) کے وقت آپ کے عقد میں صرف چار بیویاں تھیں تو پھر ان کو تخییر یا طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپؐ نے شعبان ۵ھ میں حضرت جویریہؓ سے ۶ھ میں حضرت ام حبیبہؓ سے جمادی ال آخر ۷ھ میں حضرت صفیہؓ سے اور ذی القعدہ ۷ھ میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیے؟ کیا اس کا مطلب خدانخواستہ یہ ہوا کہ آپ نے تحدیدِ ازواج کا حکم (سورۂ النساء کی آیت ۳) لوگوں کو فی الفور سنا دیا اور باوجود یہ کہ آپ امت کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں، مگر خود چار سے زائد نکاح کرتے رہے؟

مولانا امین احسن اصلاحی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''جس وقت تحدیدِ ازواج کا حکم نازل ہوا، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نکاح میں چار ہی بیویاں (حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ اس وجہ سے نہ حضور اکرم ﷺ کے لیے بیوی کو طلاق دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اس باب میں منافقین یا معترضین کے لیے کسی نکتہ چینی کی گنجائش ہے''۔۱۸؎

مفتی محمد شفیع کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ ہو:

'' پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہؓ آپ کی زوجہ رہیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا۔ حضرت سودہؓ تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہؓ صغر سنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر میں رہیں۔ پھر چند سال بعد ۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آئی۔ اس وقت آپ کی عمر چون (۵۴) سال ہو چکی ہے اور دو (۲) بیویاں اس عمر میں آکر جمع ہوئی ہیں۔ یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا۔ پھر کچھ ماہ بعد زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح ہوا اور وہ صرف

اٹھارہ (۱۸) ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پا گئیں۔ ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ کے نکاح میں زندہ رہیں۔ پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ہوا۔ پھر ۵ھ میں حضرت زینب بن جحشؓ سے نکاح ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں۔ حالاں کہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہؓ سے اور ۷ھ میں ام حبیبہؓ سے اور حضرت صفیہؓ سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا۔ خلاصہ یہ کہ چوّن سال کی عمر تک آپ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گزارہ کیا۔۔۔ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے ساتھ گزارے۔ پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہرات دو تین سال کے اندر حرمِ نبوت میں آئیں''۔۱۹؎

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۵ھ تک، جو سورۃ النساء کے نزول کا زمانہ ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد نو (۹) نہیں، بلکہ صرف چار تھی۔ جب ان کی تعداد صرف چار تھی تو تحدید ازواج کے حکم کے نزول کے بعد آپ کے لیے تخییر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تحدیدِ ازواج کا تعلق تخییر کے واقعہ سے نہیں ہے

ڈاکٹر صاحب نے تحدید ازواج کا تعلق تخییر ازواج سے ظاہر کیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تحدید ازواج کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سرے سے ہے ہی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ تحدید ازواج کا حکم تخییر ازواج کا سبب ہی نہیں ہے۔

سورۃ الاحزاب کی آیات ۲۸-۲۹ (آیات تخییر) کے نزول کا سبب مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری (کتاب الطلاق) اور تفسیر ابن کثیر میں مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں مفصل مذکور ہے۔ ذیل میں ہم اسے مسند احمد بن حنبل سے نقل کر رہے ہیں:

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اذنِ باریابی چاہا۔ اس وقت صحابہ آپؐ کے حجرہ کے دروازے پر جمع تھے۔ انھیں اجازت نہیں ملی۔ حضرت عمرؓ آئے۔ انھوں نے بھی اجازت چاہی، مگر اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت ملی۔ وہ حجرے میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ آپ کی تمام ازواج آپ کے اردگرد ہیں اور آپؐ خاموش ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ کوئی ایسی بات کہیں جسے سن کر نبی ﷺ ہنس دیں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میری بیوی بنت زید مجھ سے نفقہ مانگے تو میں اس کی گردن دبا دوں گا۔ یہ سن کر نبیؐ ہنس دیے، یہاں تک کہ آپ کے داڑھ نظر آنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو، یہ عورتیں بھی مجھ سے نفقہ مانگ رہی ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کو اور حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کو مارنے کے لیے اٹھے۔ انھوں نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مارنے سے منع کیا۔ آپ کی بیویوں نے کہا: اللہ کی قسم، اب ہم رسول اللہ ﷺ سے آئندہ وہ چیز نہیں مانگیں گی جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ تخییر نازل کی۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے آغاز کیا۔ ان کے سامنے آیت یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ کی تلاوت کی اور فرمایا: سوچ کر جواب دو اور اپنے ماں باپ سے بھی مشورہ کرلو۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: کیا میں آپ کے معاملے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میرا جواب اپنی دوسری بیوی کو نہ بتایئے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے، بلکہ معلّم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جو عورت بھی مجھ سے دریافت کرے گی، اسے بتادوں گا کہ تم نے کس کو اختیار کیا ہے''۔ ۲۰؎

علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے: ''رسول اکرم ﷺ کے سکونِ خاطر میں یہ تنک طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر

زخم آیا۔ آپ نے بالا خانہ پر تنہا نشینی اختیار کی۔ واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے''۔ ۲۱؎

ایک روایت حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ میں اللہ اکبر پکار اٹھا۔ پھر عرض کیا کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو جا کر بتا دوں کہ خبر غلط ہے۔ چوں کہ ایلاء کی مدت یعنی ایک ماہ (وہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا) گزر چکا تھا، آپ بالاخانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی ۲۲؎۔ اس آیت کی رو سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمائیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں: ایک دنیا، دوسرے آخرت۔ اگر تم دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول کی اور ابدی زندگی کی طلب گار ہو تو اللہ نے نیک لوگوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے نفقہ کا مطالبہ ہو یا واقعۂ ایلاء یا کوئی ایک متعین واقعہ، وہ آیتِ تخییر کے نزول کا سبب ہوسکتا ہے، لیکن سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ بہر حال تخییر ازواج کا سبب نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخییر کب اور کس سن میں ہوئی تھی؟ ڈاکٹر صاحب کے بیان میں اس کی صراحت ہے کہ تخییر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳، یعنی تحدید ازواج کے حکم کے بعد واقع ہوئی تھی۔ جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے کہ تخییر کا واقعہ سنہ ۹ھ میں پیش آیا تھا۔ ۲۳؎

حضرت عمرؓ کا واقعہ، جس کو امام احمدؒ اور ابن کثیرؒ دونوں نے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھی سے سوال کیا کہ کیا غسانی حملہ آور ہو گئے ہیں؟ شاہِ غسان کا حملہ ۹ھ میں ہونے والا تھا۔ اس لیے حافظ ابن حجرؒ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل ۹ھ کا واقعہ ہے۔ ۲۴؎

بے بنیاد قیاس آرائی

ڈاکٹر صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ تحدیدِ ازواج کے حکم کے وقت آپ کے نکاح میں نو (۹) ازواج تھیں، آپؐ اس مسئلہ کا حل نہ ڈھونڈ سکے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ نے وحی کے ذریعے اسے حل کیا۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ (تحدید ازواج) کا کوئی تعلق سورۃ الاحزاب کی آیات ۲۹۔۳۰۔ آیت تخییر سے نہیں ہے۔ کیوں کہ تحدید کا تعلق صرف امت کے ساتھ ہے۔ پھر جب یہ مسئلہ ہی نہ رہا تو اس کا حل تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ تحدید ازواج کا مسئلہ آپ کو درپیش تھا اور آپ اس کا کوئی حل تلاش نہ کرسکے، بالآخر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں وحی نازل فرمائی تو پھر سوال یہ ہے کہ اس دعا کا ذکر کس جگہ پر ہے؟ اس دعا کے بعد جو وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ وحی متلو تھی یا غیر متلو؟ قرآن وحدیث میں کہیں اشارۃً وکنایۃً بھی اس وحی کا ذکر ہے؟ کیا کسی مفسر و محدث نے اس وحی کا ذکر کیا ہے؟ راقم کی رائے میں یہ ڈاکٹر صاحب کا ایک ایسا تفرد ہے جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''آپؐ نے وحی کے نزول کے بعد اس مسئلے کا حل تلاش کرلیا تھا اور چار بیویوں کا انتخاب کرلیا تھا''۔ لیکن موصوف آگے فرماتے ہیں کہ ''جب ازواج نے حقوقِ زوجیت سے تنازل نہیں اختیار کیا تو آپؐ پر شاق گزرا اور آپؐ نے اجتہاد کرکے 'أھون الأمرین' کو اختیار کیا اور ایک ماہ میں چار ازواج اور دوسرے ماہ میں دیگر چار ازواجات سے تعلق رکھا''۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آپؐ نے چار بیویوں کو وحی الٰہی کے بعد اختیار کرلیا تھا تو سارا مسئلہ ہی حل ہوگیا، پھر آپؐ کو اجتہاد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ نص صریح کی موجودگی میں اجتہاد کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے؟ اور اگر آپ نے اجتہاد کی بنا

پر 'اھون الأمرین' کا راستہ ڈھونڈا تھا تو بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس بارے میں آپ پر کسی قسم کی وحی کا نزول نہیں ہوا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کا تذکرہ کرکے اس سے ڈاکٹر صاحب نے جس قسم کا نتیجہ نکالا ہے وہ بڑا معنیٰ خیز ہے، کیوں کہ ایک طرف تو موصوف یہ فرماتے ہیں کہ ''چار کا اختیار وحیِ الٰہی کی بنا پر تھا'' اور آگے بیان کرتے ہیں کہ ''وحی الٰہی تو صرف چار کے اختیار کی تھی، لیکن آپؐ نے ہر ماہ کسی چار کو اختیار کیے رکھا۔ یعنی ایک ماہ میں چار بیویاں اور اگلے ماہ میں دوسری چار بیویاں۔ اس طرح تو ان کی تعداد آٹھ ہوگئی۔ یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس کی نسبت کسی عقل مند کی طرف کرنا بڑا مشکل ہے، چہ جائیکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

سورۂ احزاب کی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات کا بیان ہے

اصل بات یہ ہے کہ سورۂ احزاب کی آیات نمبر ۵۰، ۵۱، ۵۲ کا تخییر ازواج سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ ان میں سات ایسے مسائل بیان کیے گئے ہیں جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہیں۔ ذیل میں اجمالاً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِی اٰتَیتَ اُجُوْرَھُنَّ۔ مفتی محمد شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں کہ: ''یہ حکم بظاہر سب مسلمانوں کے لیے عام ہے، مگر اس میں وجہِ خصوصیت یہ ہے کہ نزولِ آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں اور عام مسلمانوں کے لیے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں تو یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لیے حلال کر دیا گیا''۔ ۲۵

۲۔ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ۔ بظاہر اس حکم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں، پوری امت کے لیے یہ حکم ہے۔ لیکن علامہ آلوسیؒ نے اپنی

تفسیر روح المعانی میں کنیزوں سے متعلق آپ کی یہ خصوصیت ذکر کی ہے کہ ’’جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ کسی امتی کا نکاح حلال نہیں، اسی طرح جو کنیز آپ کے لیے حلال کی گئی ہے آپ کے بعد وہ کسی کے لیے حلال نہ ہوگی‘‘۔۲۶؎

۳۔ وَبَنٰتُ عَمِّکَ وَبَنٰتُ عَمّٰتِکَ۔اس میں رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے صرف وہ عورتیں آپ کے لیے حلال ہیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔سفر اور وقت میں معیت ضروری نہیں، بلکہ نفس ہجرت میں معیت و موافقت مراد ہے‘‘۔۲۷؎

۴۔ وَامْرَأَۃً مُّؤْمِنَۃً اِنْ وَّھَبَتْ نَفْسَھَا لِلنَّبِیِّ۔۔۔الخ۔یعنی بغیر مہر، ولی اور گواہ کے اگر آپ نکاح کرنا چاہیں۔۲۸؎

۵۔ مؤمنۃ: ’’رسول اکرم ﷺ کے لیے عورت کا مؤمنہ ہونا شرط ہے، کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا‘‘۔۲۹؎

۶۔ تُرْجِی مَنْ تَشَاءُ مِنْھُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَاءُ۔رسول اکرم ﷺ کو سب بیویوں میں برابری کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔اس کے باوجود آپ نے سب بیویوں سے عدل کیا اور ان کی باری مقرر کی۔

۷۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ۔ لیکن مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل آپؐ کے لیے عورتیں حلال ہوگئی تھیں‘‘۔۳۰؎

ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں: ’’یہ روایت اس بات کی موجب ہے کہ سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۲ منسوخ ہوچکی ہے۔قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس آیت کے نسخ کی موجب ہو۔اس لیے اس کا نسخ سنت کی بنا پر عمل میں آیا ہے۔اس میں سنت کی بنا پر قرآن کی نسخ کی دلیل موجود ہے‘‘۔۳۱؎

ہماری مذکورہ بالا معروضات ڈاکٹر صاحب کے صرف ایک مقالہ سے متعلق ہیں۔اس کا مقصد ڈاکٹر صاحب کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ہرگز نہیں ہے۔انھوں نے

اسلام کی جو گراں قدر خدمت کی ہے اس کا اعتراف زمانہ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے درجات کو بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

حواشی و مراجع

۱۔ ڈاکٹر صاحب کے حالاتِ زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے: صحیفۂ ھمام بن منبہ۔ مختصر حالات ڈاکٹر حمید اللہ۔ احمد عطاء اللہ، ص ۹۔ ناشر: رشید اللہ یعقوب، مکان نمبر ۸ زمزمہ، اسٹریٹ نمبر ۳ کلفٹن۔ کراچی، ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸ئ۔

۲۔ مجلہ الدراسات الاسلامیہ، مقالہُ **هل خالف النبی علیه الصلوٰة والسلام** او امر الأیة: مثنیٰ وثلاث و رباع''، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۹ء۔ محرم۔ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ، جلد ۲۴، شمارہ ۴، ص ۵

۳۔ حوالہ سابق، ۲۴ / ۴، ص ۶

۴۔ حوالہ سابق، ص ۶

۵۔ حوالہ سابق، ص ۶

۶۔ حوالہ سابق

۷۔ حوالہ سابق، ص ۷

۸۔ حوالہ سابق، ص ۹۔۱۰

۹۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۸۸ھ، ۱ / ۴۲۶۔

۱۰۔ مرویات الامام احمد بن حنبل فی التفسیر، جمع وتخریج: حکمت بشیر یٰسین، مکتبہ المؤید، سعودی عرب ۱۹۹۴ئ، تفسیر ابن کثیر، ۱ / ۴۲۴۔۴۲۷

۱۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۱ / ۴۲۷

۱۲۔ حوالہ سابق: ۳ / ۴۸۰

۱۳۔ حوالہ سابق: ۳ / ۴۸۱

۱۴۔ حوالہ سابق: ۳ / ۴۸۱

۱۵۔ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۷ء، ۵/ ۲۵۴

۱۶۔ الجامع لأحکام القرآن، ابوعبداللہ محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴/ ۲۱۹

۱۷۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۹۱ئ، ۱/ ۳۱۶

۱۸۔ تدبر قرآن: ۵/ ۲۵۱۔۲۵۲

۱۹۔ معارف القرآن: ۲/ ۲۹۰۔۲۹۱

۲۰۔ مرویات مسند احمد بن حنبل فی التفسیر: ۳/ ۳۹۹۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان أن تخییر امرأۃ لا یکون طلاقاً الا بالنیۃ، ۱۴۷۸، تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۶۳

۲۱۔ سیرۃ النبی ﷺ، علامہ شبلی نعمانی، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، ۱/ ۵۰۸

۲۲۔ مرویات مسند احمد بن حنبل فی التفسیر: ۴/ ۲۶۵۔۲۶۶۔ صحیح مسلم: ۲/ ۱۱۱۱، تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۳۸۹۔۳۸۸

۲۳۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ، ۸/ ۵۲۲

۲۴۔ حوالۂ سابق: ۹/ ۲۵۰

۲۵۔ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت کراچی، ۱۴۰۱ھ، ۷/ ۱۸۶

۲۶۔ حوالۂ سابق: ۷/ ۱۸۷

۲۷۔ حوالۂ سابق: ۷/ ۱۸۸

۲۸۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۴۸۱

۲۹۔ معارف القرآن: ۷/ ۱۹۰

۳۰۔ حوالۂ سابق: ۷/ ۱۹۱

۳۰۔ مرویات مسند أحمد بن حنبل فی التفسیر: ۳/ ۴۲۰۔ والدارمی: ۲/ ۱۵۴۔ والنسائی: ۶/ ۵۶۔ والطبری: ۲۲/ ۳۲ والحاکم: ۲/ ۴۳۷ وقال الحاکم: حدیث صحیح علی شرط الشیخین

۳۱۔ احکام القرآن للجصاص الرازی، ترجمہ عبدالقیوم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ئ، ۶/ ۳۲۳، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۱۴/ ۲۱۹

☆☆☆

یہودیت میں تصوّراتِ امن

جناب تنویر قاسم

تمدن کے ارتقاء کے لیے امن و امان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ یہود میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعائے امن اس بات کی دلیل ہے کہ کرۂ ارضی کی فلاح اور اس کی معاشی وتمدنی ترقی کا انحصار امن پر ہے۔ جہاں امن ہوگا وہیں اقتصادی خوش حالی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ عہد نامۂ قدیم میں امن کی اہمیت اس کی درج ذیل تعلیمات سے عیاں ہے:

''جو امن و امان کے لیے کام کرتے ہیں، خوشی پائیں گے''۔ (امثال: ۱۲:۲۰)

''پاک اور فرماں بردار رہو۔ لوگ جو امن سے محبت کرتے ہیں ان کی نسل ایک اچھا مستقبل پائے گی''۔ (زبور، ۳۷:۳۷)

''امن کے لیے کام کرو، امن کی کوششوں میں لگے رہو جب تک اسے پا نہ لو''۔ (زبور، ۳۴:۱۴)

''اے خداوند! برے لوگوں کو سزا دے۔۔۔۔۔ اِسرائیل میں امن قائم رہے''۔ (زبور، ۱۲۵:۵)

''خدا حکم راں ہے۔۔۔۔۔ وہ اپنی سلطنت میں امن و امان قائم کرتا ہے''۔ (ایوب، ۲۵:۲)

یہودی تعلیمات کے مطابق بھلائی اور نیکی کے فروغ کے لیے امن کا قیام ناگزیر ہے۔ ان میں امن کو اہم قرار دیا گیا ہے اور اس کے قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو اسے صلح کا پیغام دینا''۔ (استثنائ، ۲۰:۱۰)

یہودی جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تو کبھی اسے چاروں طرف سے نہ گھیرتے، بلکہ ہمیشہ ایک طرف کا حصہ بھاگنے اور فرار ہونے والوں کے لیے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ کسی ملک سے جنگ شروع کرنا یہودیوں کے لیے قومی اور ذاتی طور پر ایک آزمائش ہوتی تھی اور یہ ان کی امن پسند فطرت کی بدولت ہوتا تھا۔[۱]

لفظِ امن اور یہودی لٹریچر

عہد نامہ قدیم میں جابجا امن وسلامتی کا تذکرہ ہے۔ اس کے لیے اس میں 'شالوم' کا لفظ مستعمل ہے۔ اس لفظ کے بارے میں 'قاموس الکتاب' کا مؤلف لکھتا ہے:

> ''اس بیش قیمت لفظ میں مفہوم کا ایک خزانہ پنہاں ہے۔ اردو کا کوئی لفظ بھی اس کے پورے مفہوم کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اسی لیے مترجمین نے مختلف الفاظ استعمال کر کے اس کے معنوں کو ادا کیا ہے۔ ۔۔۔۔۔ اس لفظ میں کاملیت، صحت، خیر، خوش حالی، صلح، سلامتی، امن اور چین کے مفہوم موجود ہیں۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ کیتھولک مترجمین نے سلامتی اور صلح کے الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ پروٹسٹنٹ مترجمین نے اردو محاورے کا زیادہ لحاظ رکھا ہے۔ ..... قاموس الکتاب میں عہد نامۂ قدیم وجدید کے مختلف ابواب میں اس عظیم لفظ کے مفہوم میں دنیاوی اقبال مندی کا تصور اور جسمانی صحت کے معنی درج ہیں، لیکن اس سے روحانی بہبودی بھی مراد ہوسکتی ہے۔ ایسی سلامتی صداقت اور راست بازی کی ہم جولی ہے، لیکن بدی کی نہیں' اس کا شریروں سے کوئی واسطہ نہیں۔ چوں کہ انسان کے گناہ کی وجہ سے دنیا میں ابتری پھیل گئی تھی اور صلح اور امن صرف خدا کی بخشش ہیں، اس لیے موعودہ مسیح کے عہد کے منتظر لوگ امن کے زمانے کے امید میں بیٹھے تھے، یعنی وہ سلامتی کے شہزادہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔''[۲]

نئے عہد نامہ میں شالوم کے لیے یونانی لفظ eirene ہے۔ یونانی کلاسیکی ادب میں اس لفظ کے مفہوم کا زور منفی تھا، جیسے جنگ کا نہ ہونا، جھگڑے سے فراغت، لیکن ہفتادی مترجمین کی بدولت اس یونانی لفظ میں پرانے عہد نامہ کے شالوم کا پورا مفہوم سمو دیا گیا ہے اور یہ اکثر ایک روحانی پہلو کا حامل ہے۔ اس لفظ کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسے بائبل کے بعض کلیدی الفاظ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، مثلاً فضل، (فضل اور اطمینان۔ کیتھولک سلامتی) (زندگی، راست بازی اور میل ملاپ، ریفرنس بائبل کے حاشیہ میں اطمینان۔ کیتھولک ترجمہ میں صداقت اور سلامتی)۔ اس لفظ کا برکت کے کلمات میں استعمال اس کی اہمیت کو اور نمایاں کرتا ہے۔ گناہ آلودہ انسان کے لیے پہلا ضروری قدم خدا سے صلح اور میل ہے۔ ۳؎

عالم گیر امن کا دور

عہد نامہ قدیم میں بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر انبیاء سیدنا یرمیاہ اور سیدنا یسعیاہ کی نبوتیں عالمی امن کی نوید ہیں۔ ان کا دورِ نبوت چالیس برسوں پر محیط ہے۔ اس دور میں یہوداہ کے پانچ بادشاہوں (یوسیاہ، یہوآخز، یہویقیم، یہویاکین اور صدقیاہ) نے حکومتیں کیں۔ بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے یہ چشم دید انبیاء ہیں۔ سیدنا یسعیاہ انبیاء بنی اسرائیل میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ انہیں طائرانِ نبوت کا شاہین اور عہد قدیم کا مبشر جیسے القابات سے نوازا گیا ہے۔ سیدنا یسعیاہ اور سیدنا یرمیاہ کی یہ رویا عالمی امن کی تمہید ہیں۔ امن عالم کی یہ نویدیں اور ان کی تعبیریں مذاہب ثلاثہ کے لیے رہ نما ہیں۔ کتاب یسعیاہ میں ہے:

> ''وہ بات جو یسعیاہ بن آموص نے یہوداہ اور یروشلم کے حق میں رویا میں دیکھی۔ آخری دنوں میں یوں ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹی پر قائم ہوگا اور سارے پہاڑوں سے بلند ہوگا۔ سبھی ملکوں کے لوگ وہاں جایا کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں خداوند کے پہاڑ پر جانا چاہیے، ہم کو یعقوب کے خدا کے گھر میں جانا چاہیے اور خدا ہمیں اپنی

راہیں بتائے گا اور ہم اس کے راستوں پر چلیں گے، کیوں کہ یروشلم میں کوہ صیون پر خدا کے کلام کا آغاز ہوگا اور وہاں سے شریعت روئے زمین پر پھیلے گی۔ وہ کئی قوموں کے درمیان انصاف کرے گا اور بہت سی دوسری قوموں کے لیے فیصلہ کرے گا۔ وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر بھالے بنائیں گے اور لوگ اپنے بھالوں کا استعمال درانتی بنانے میں کریں گے۔ ایک دوسرے سے جنگ نہ چھیڑیں گے اور وہ لوگ کبھی جنگ کا فن نہیں سیکھیں گے۔اے خاندانِ یعقوب !آؤ، ہم لوگ خدا کی روشنی میں چلیں۔'' (یسعیاہ، ۲:۱۔۵)[۴]

انسانی زندگی کا تقدس

یہودی مذہب میں انسانی زندگی کو بہت تقدس حاصل ہے۔تخلیق انسانی دوسری تمام مخلوقات کی نسبت حکمت وقدرتِ الٰہی کا ممتاز عمل ہے۔ انسان اپنے مزاج ،اپنے مقام ،اپنی سرشت یعنی اپنی فطرت میں اعلیٰ وارفع صلاحیتوں اور طاقت وفعالیت جیسی صفات کی وجہ سے دنیا میں نیابتِ الٰہی سے متصف ہوا۔گویا جہاں وہ خدا کی شبیہ'احسن التقویم' بن کر آیا وہیں اس کا نمائندہ بھی بنا۔گو بدن مٹی سے تشکیل پایا،لیکن اس میں روح امر الٰہی ہے اور اسے اپنی صورت سے تمثیل دینا عجز وشرفِ انسانی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب انسان گناہ یا گم راہی میں گرتا ہے تو دراصل اس حسنِ ازل کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے۔عہدنامۂ قدیم میں ہے:

'' اِس لیے خدا نے انسان کو اپنی ہی صورت پر پیدا کیا اور خدا نے اپنی ہی مشابہت پر انسان کو پیدا کیا اور خدا نے ان کو مرد اور عورت کی شکل وصورت بخشی۔'' (پیدائش ،۱:۲۷)

یہودیت کے مطابق اگر ایک انسان کا خون بہایا جائے تو اس کا بدلہ خون ہے۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق کسی انسان کو زندگی بخشنا خدا کو باقی رکھنے کے مترادف ہے۔کتاب پیدائش میں ہے:

''اِس لیے کہ خدا نے انسان کو اپنی مشابہت پر پیدا کیا ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی کسی شخص کا خون بہاتا ہے تو دوسرا شخص اس کا خون بہائے گا۔'' (پیدائش،۹:۶)

عدل و انصاف کے بغیر عبادت مقبول نہیں

یہودیت میں امن و امان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ قربانی، ہدیہ، عید جیسی عبادات اور عدل و انصاف کی اہمیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب معاشرے میں عدل و انصاف ہوگا تو لازمی طور پر امن و امان بھی قائم ہوجائے گا۔ یعنی یہودیت میں اس وقت تک عبادت مقبول نہیں جب تک امن و امان قائم نہ کیا جائے:

''خداوند فرماتا ہے! تمہاری کثیر التعداد قربانیاں میرے کس کام کی ہیں؟ بچھڑوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ جانوروں کی چربی سے میرا جی بھر چکا ہے، بیلوں، برّوں اور بکروں کا خون میری خوشی کا باعث نہیں۔ کون کہتا ہے کہ میری بارگاہ میں چلے آؤ اور میرے آنگنوں کو پاؤں سے روندو؟ باطل ہدیے لانے سے باز آؤ۔ تمہارے بخور سے مجھے سخت نفرت ہے۔ نئے چاند، سبت اور عید کے اجتماع ۔۔۔ اور تمہاری ناشائستہ محفلیں میں برداشت نہیں کرسکتا۔ تمہارے نئے چاند کے تہواروں اور تمہاری مقررہ عیدوں سے میری جان کو نفرت ہے۔ وہ میرے لیے ایک بوجھ بن گئی ہیں۔ میں انہیں برداشت کرتے کرتے عاجز آچکا ہوں۔ جب تم دعا میں اپنے ہاتھ اٹھاؤ گے تو میں تم سے منہ موڑ لوں گا۔ تم چاہے کتنی دعائیں کرو، میں نہ سنوں گا۔ تمہارے ہاتھ خون آلودہ ہیں۔ اپنے آپ کو دھو کر پاک کرلو۔ اپنے برے اعمال کو میری نگاہوں سے دور لے جاؤ۔ بدفعلی سے باز آؤ، بھلائی کرنا سیکھو۔ انصاف طلب بنو۔ مظلوموں کی حوصلہ افزائی کرو، یتیموں کے حقوق کا تحفظ کرو اور بیواؤں کے حامی ہو۔'' (یسعیاہ، ۱:۱۱-۱۷)

عہد نامۂ قدیم میں ایک اور جگہ عدل و انصاف اور امن و امان کو خدا کی نجات کا نام دیا گیا ہے:

''یقیناً اس کی نجات ان کے قریب ہے جو اس سے ڈرتے ہیں، تا کہ اس کا جلال ہمارے ملک میں بسے۔ شفقت اور راستی باہم ملتے ہیں۔ راست بازی اور امن ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔ زمین سے صداقت پھوٹتی ہے اور راست بازی آسمان پر سے جھانکتی ہے۔ بے شک خداوند اچھی چیز ہی عنایت کرے گا اور ہماری زمین اپنی پیداوار دے گی۔ راست بازی اس کے آگے آگے چلے گی اور اس کے قدموں کے لیے راہ تیار کرے گی۔'' (زبور، ۸۵:۹۔۱۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں سماجی نا انصافی انسانی خون کرنے کے مترادف ہے۔ غریبوں کے لیے ان کی روٹی ان کی زندگی ہے اور جو کوئی اس کو ان سے روکے وہ گویا غریبوں کا قاتل ہے۔ جو کوئی ہم سائے کی روزمرہ کی خوراک چھینتا ہے یا اس سے محروم رکھتا ہے، وہ اسے گویا قتل کرتا ہے۔ جو مزدور کی مزدوری میں ہیرا پھیری سے کام لیتا ہے، وہ اس کا خون بہاتا ہے۔ ایسے شخص کی کوئی عبادت خدا کو منظور نہیں جو اس کی عبادت کرنے کا خواہش مند تو ہو، لیکن اس کے عدل کو مانے، نہ اس پر عمل کرے۔ ایک اور مقام پر عدل و انصاف کے ذریعے امن و امان کے قیام کو عبادت سے افضل قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

''میں تمہاری عیدوں کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ مجھے تمہارا اجتماع بالکل پسند نہیں۔ ہاں تم میرے لیے سوختنی قربانیاں اور نذر کی قربانیاں گذرانتے ہو، لیکن میں ان کو قبول نہیں کروں گا۔ تم بہترین قربانیاں لاتے ہو، لیکن میں ان کا کوئی لحاظ نہیں کروں گا۔ اپنے نغموں کی آواز مجھ سے دور کرو۔ میں تمہارے رباب کی آواز نہ سنوں گا، بلکہ انصاف کو پانی کی مانند اور صداقت کو کبھی نہ سوکھنے والے چشمے کی طرح جاری رکھو۔'' (عاموس، ۵:۲۱۔۲۴)

امن کی سلطنت

عہدنامہ قدیم سلطنتِ امن کے قیام کے سلسلے میں کس قدر سنجیدہ ہے، اس سلسلے میں وہ ایک مثال بیان کرتا ہے۔ یہ مثال سلیمان علیہ السلام کے شاہی خاندان کی ہے، جن کے ذریعے امن کی ایک سلطنت قائم ہوئی:

''یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اس کی جڑوں سے ایک بارآور شاخ پیدا ہوگی۔ خداوند کی روح اس پر ٹھہرے گی۔ حکمت اور فہم کی روح، مصلحت اور قدرت کی روح، معرفت اور خداوند کے خوف کی روح۔ اور خداوند کے خوف میں اس کی خوشنودی ہوگی۔ وہ اپنی آنکھوں کے دیکھنے کے مطابق انصاف نہ کرے گا اور نہ اپنے کانوں کے سننے کے مطابق فیصلہ کرے گا، بلکہ وہ مسکینوں کا انصاف راستی سے کرے گا اور دنیا کے غریبوں کا فیصلہ عدل سے کرے گا۔ وہ اپنی زبان کے عصا سے زمین کو مارے گا اور اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو ہلاک کرے گا۔ راست بازی اس کا کمربند ہوگی اور وفاداری اس کا پٹکا ہوگی۔ تب بھیڑیا برّہ کے ساتھ رہے گا اور چیتا بکری کے ساتھ بیٹھے گا۔ بچھڑا، شیر اور ایک سالہ بچھیرا اکٹھے رہیں گے اور ایک چھوٹا بچہ ان کا پیش رَو ہو گا۔ گائے اور ریچھنی مل کر چریں گے۔ اور ان کے بچے اکٹھے بیٹھیں گے اور شیر بیل کی طرح بھوسا کھایا کرے گا۔.....'' (یسعیاہ، ۱۱: ۱-۱۱)

تہذیبی و تمدنی امن

غم گین اور شکستہ دل لوگوں کی دل جوئی کرنا عہدنامہ قدیم کی رو سے بہت بڑا عمل ہے۔ اس حوالے سے ایک عبارت ملاحظہ ہو:

''خداوند کی روح مجھ پر ہے، کیونکہ خداوند نے مجھے مسح کیا ہے، تاکہ میں حلیموں کو خوش خبری سناؤں۔ اس نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں

شکستہ دلوں کو تسلی دوں ، قیدیوں کے لیے رہائی کا اعلان کروں اور اسیروں کو تاریکی سے رہا کروں اور خداوند کے فضل کے سال کا اور خدا کے انتقام کے دن کا اشتہار دوں اور تمام ماتم کرنے والوں کو دلاسا دوں اور صیون کے غم گین لوگوں کے لیے ایسا اہتمام کروں کہ انہیں راکھ کے بجائے میری طرف سے سہرا، ماتم کی بجائے خوشی کا روغن اور اداسی کی بجائے ستایش کا خلعت بخشا جائے۔ وہ راست بازی کے بلوط اور خداوند کے لگائے ہوئے پودے کہلائیں گے، تاکہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ تب وہ قدیم کھنڈروں کو پھر سے تعمیر کریں گے اور بہت عرصہ سے ویران پڑے ہوئے مقامات کو بحال کریں گے اور ان اجڑے ہوئے شہروں کو ازسرنو بسائیں گے جو پشت در پشت تباہ ہوتے آئے ہیں۔ بیگانے تمہارے گلّوں کی نگہبانی کریں گے اور پردیسی تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں میں کام کریں گے.....''۔ (یسعیاہ، ۶۱:۱۔۵)

انسان خدمتِ انسانیت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بالخصوص صلح پسندی یہودیت کے ہاں نہایت اجر کا باعث ہے۔ جیسا کہ زبور میں ہے:

'' کامل آدمی پر نگاہ کر اور راست باز کو دیکھ، کیونکہ صلح دوست آدمی کے لیے اجر ہے''۔ (زبور، ۳۷:۳۷)

اسرائیلی روایات میں امن ایک معاشرتی تصور تھا۔ اسے خاندان، معاشرہ اور اقوام کی درمیان سازگاری کی صورت میں دیکھا جاسکتا تھا۔

قتل انسانی معاشرے کا سب سے پہلا جرم ہے۔ اس کی تباہی و بربادی سے کون واقف نہیں۔ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، کیونکہ ایک قتل کی صورت میں پورے انسانی معاشرے کا امن داؤ پر لگ سکتا ہے۔ اس حوالے سے تمام انسانی مذاہب کی مشترکہ تعلیمات ہیں۔ انسانی قتل اور اغوا پر مؤثر قانون سازی سے اس کی روک تھام اور امن و امان کا قیام ممکن ہے۔ عہد نامہ قدیم میں بھی اس حوالے سے کافی تفصیلی احکام موجود ہیں۔

تحفظِ جان و مال

قتل کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کو ارادتاً قتل کیا جائے، دوسرے یہ کہ ارادہ قتل کا نہ ہو، بلکہ مارنے والے نے صرف ضرب پہنچانے کی غرض سے مارا ہو۔ ظاہر ہے کہ انصاف کی رو سے دونوں صورتوں کا حکم مختلف ہونا چاہیے۔ اس بارے میں عہد نامۂ قدیم میں کہا گیا ہے:

''اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو ایسا مارے کہ وہ مر جائے تو وہ لازماً جان سے مارا جائے۔ تاہم اگر اس نے قصداً ایسا نہ کیا ہو، بلکہ خدا نے ایسا ہونے دیا ہو تو اس صورت میں وہ اس جگہ، جسے میں مقرر کروں گا، بھاگ جائے۔ لیکن اگر کوئی دیدہ دانستہ کسی دوسرے آدمی کو مار ڈالے تو اسے میری قربان گاہ سے دور لے جا کر مار دیا جائے۔'' (خروج، ۲۱: ۱۲۔ ۱۴)

قتل اگر کسی عام شخص کا کیا جائے تو بھی یہ بڑا سنگین جرم ہے، لیکن اگر کوئی بد بخت اپنے والدین کو قتل کر دے تو اس کا جرم مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ اس کو کسی رعایت کا حق دار ٹھہرانے کے بجائے فوری اور لازمی طور پر قتل کر دیا جائے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے، وہ لازماً مار ڈالا جائے۔''

(خروج، ۲۱: ۵۱)

اغوا کسی بھی طرح قتل سے کم درجہ سنگین جرم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نامۂ قدیم میں اس کی سزا قتل والی ہی رکھی گئی ہے:

''اور جو کوئی دوسرے شخص کو اغوا کرے، خواہ اسے بیچ دے، خواہ اپنے پاس رکھے اور پکڑا جائے تو اسے ضرور مار ڈالا جائے۔'' (خروج، ۲۱: ۱۶)

اس معاملے میں آزاد اور غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انسان ہونے کے ناطے غلاموں کے حقوق کا بھی لحاظ ضروری ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس بارے میں واضح احکام موجود ہیں۔ ایک مقام پر ہے :

''اگر کوئی آدمی اپنے غلام یا اپنی کنیز کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ فوراً مرجائے تو اسے لازماً سزا دی جائے۔لیکن اگر وہ ایک دو دن زندہ رہے تو اسے سزا نہ دی جائے، کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہے۔'' (خروج،۲۱:۲۰)

جس طرح کسی زندہ شخص کو قتل کرنا ایک سنگین جرم ہے، اسی طرح حمل کی حالت میں کسی جان کو ختم کر دینا بھی ناقابل معافی جرم ہے۔اس بارے میں عہدنامۂ قدیم میں ہے:

''اگر وہ لوگ، جو باہم لڑ رہے ہوں، کسی حاملہ عورت کو ایسی چوٹ پہنچائیں جس کے باعث اس کا حمل گر جائے، لیکن اسے کوئی اور ضرر نہ پہنچے تو جتنا جرمانہ اس کا شوہر مانگے اور قاضی منظور کریں، اس سے لیا جائے۔لیکن اگر اسے کوئی اور ضرر پہنچا ہو تو جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں لے لینا۔جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ پہنچانا.....'' (خروج،۲۱:۲۲۔۲۵)

عدل و انصاف کے بارے میں احکام

شریعتِ موسوی میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رشوت ستانی، اقربا پروری اور جانب داری برتنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے:

''تمھیں لوگوں کو غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنے دینی چاہئے۔ ان کے ساتھ بھی دوسرے لوگوں کے جیسا انصاف ہونا چاہئے۔''

(خروج، ۲۳:۶)

امن وامان کے لیے انصاف اور راست بازی کس قدر ضروری ہے، اس سے کوئی بھی ذی شعور انسان لاعلم نہیں۔جس معاشرے سے انصاف اور راست بازی کنارہ کر جائے، اس میں دنگا وفساد، قتل و غارت اور دہشت گردی جیسی لعنتیں اپنے جھنڈے

گاڑ لیتی ہیں۔تمام الہامی مذاہب انصاف اور راست بازی کا درس دیتے ہیں۔عہد نامۂ قدیم میں بھی انصاف اور راست بازی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور ہر شخص کو خصوصاً قاضیوں اور حاکموں کو انصاف اور راست بازی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے:

''اے یہوداہ کے بادشاہ !تُو ، تیرے حکام اور تیرے لوگ ، جو ان پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہیں،تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی سے کام کرو۔'' (یرمیاہ، ۲۲:۲-۳)

''خداوند یوں فرماتا ہے: اے اسرائیل کے امیرو! تم حد سے بڑھ گئے ہو، تم تشدّد اور ستم چھوڑ دو اور وہی کرو جو جائز اور روا ہے۔ میرے لوگوں سے ان کی جائیداد نہ چھینو۔'' (حزقی ایل، ۴۵:۹)

''اور قاضیوں سے کہا کہ جو کچھ تم کرو، احتیاط اور سوچ سمجھ کر کرنا۔تم آدمیوں کی طرف سے نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے عدالت کرتے ہو اور جب بھی تم کوئی فتویٰ سناتے ہو، خدا تمہارے پاس ہوتا ہے،لہٰذا تمہیں خدا کا خوف رہے۔ اس لیے احتیاط سے فیصلہ سنانا، کیوں کہ خداوند ہمارے خدا کے ہاں ناانصافی یا جانب داری یا رشوت خوری نہیں ہے۔'' (تواریخ دوم، ۱۹:۶)

''تم فیصلہ کرتے وقت بے انصافی مت کرنا اور نہ تو غریب کی طرف داری کرنا اور نہ بڑے آدمی کا لحاظ کرنا، بلکہ راستی سے اپنے ہم سایہ کا انصاف کرنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۵)

''اور جب تو کسی مقدمہ میں گواہی دے تو محض عوام کا ساتھ دینے کی خاطر انصاف کا خون نہ کر دینا۔ اور کسی غریب کے مقدمہ میں بھی جانب داری سے کام نہ لینا.....تو اپنے غریب لوگوں کے مقدمات میں انصاف کا خون نہ ہونے دینا۔'' (خروج، ۲۳:۲-۶)

''تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانب دار رہنا.....ہمیشہ انصاف

پر ہی قائم رہنا، تاکہ تم جیتے جی اس ملک پر قابض ہو جاؤ جو خداوند تمہارا خدا تمہیں دے رہا ہے۔'' (استثنائ، ۱۶:۱۹، ۲۰)

مظلوم کی دادرسی

اس بارے میں دو رائے نہیں کہ امن و مان کی صورت حال اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک مظلوموں کی دادرسی کے لیے مؤثر اقدامات نہ کیے جائیں۔ عہد نامۂ قدیم میں مظلوموں سے تعاون اور ان کی دست گیری کے بارے میں بہت سے احکام ہیں۔ ایک حکم یہ ہے:

''مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاؤ۔'' (یرمیاہ، ۲۲:۳)

یتیم اور بیوہ سے حسن سلوک

یتیم اور بیوہ کا شمار معاشرے کے سب سے کم زور طبقات میں ہوتا ہے۔ ان کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ اگر ان لوگوں کی قابل لحاظ حد تک دست گیری نہ کی جائے تو یہ بے سہارا لوگ اپنی زندگی صحیح ڈھنگ سے گزارنے کے قابل نہیں رہتے اور معاشرے کا امن و امان تہہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا امن وامان کے قیام کے لیے یتیموں اور بیواؤں کا پورا پورا خیال رکھنا اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس بارے میں یہ حکم موجود ہے:

''بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو، نہ تشدد سے پیش آؤ۔''

(یرمیاہ، ۲۲:۳)

قتلِ ناحق کی ممانعت

کسی معاشرے کی تباہی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں بے گناہوں کا خون ہونے لگے۔ جب بھی کسی معاشرے میں ایسی صورت حال پروان چڑھی ہے تو گویا اس کی تباہی و بربادی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب کسی بے گناہ کا خون ہوتا ہے تو اس کے

ورثاء اپنے مقتول کا بدلہ لینے کے لیے مشتعل ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بسا اوقات نسل در نسل دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ امن و امان کا قیام اس صورت حال پر قابو پائے بغیر ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں عہد نامۂ قدیم میں کیا گیا ہے:

''بے گناہ کا خون نہ بہاؤ۔'' (یرمیاہ، ۲۲: ۳)

رشوت ستانی کی مذمّت

رشوت ستانی ایسا ناسور ہے جو معاشرے کے پورے جسم کو بیمار کر دیتا ہے۔ کسی کے حق کو غصب کرنے کے لیے ناجائز ذرائع کا استعمال پورے معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حق والا اپنے حق کو غصب ہوتے دیکھ نہیں سکتا، چنانچہ وہ اس کو بچانے کے لیے اپنی جان، مال اور عزت و آبرو سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ کبھی نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی ہے۔ یوں معاشرے کا امن و امان تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رشوت ستانی کی ہر مذہب میں مذمت کی گئی ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

''تو رشوت نہ لینا، کیونکہ رشوت بیناؤں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادقوں کی باتوں کو بدل ڈالتی ہے۔'' (استثنائ، ۱۶: ۱۹)

عدل کی جزا اور ظلم و ناانصافی کی سزا

قدرت کا فیصلہ ہے کہ عدل و انصاف ہمیشہ معاشرے کو کام یابی و کام رانی، خوش حالی اور امن و امان کی طرف لے جاتا ہے اور ظلم و ناانصافی کی منزل ہمیشہ ناکامی و نامرادی، زبوں حالی اور بدامنی ہوتی ہے۔ یہ ایک طبعی اور فطرتی امر ہے جو ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے یکساں نافذ العمل رہتا ہے۔ خالق کائنات نے ہر دور میں اپنے رسولوں کے ذریعے دنیا میں امن و امان کے قیام کی راہ ہموار کی اور ان کی زبانی عدل و انصاف کی جزا اور ظلم و ناانصافی کی سزا بھی بیان کی۔ عہد نامہ قدیم میں بھی بڑی وضاحت

وصراحت سے یہ بات بیان ہوئی ہے:

''اگر تم ان احکام پر احتیاط سے عمل کرو گے تو داؤد کے تخت پر بیٹھنے والے بادشاہ اپنے حاکموں اور لوگوں کے ساتھ، رتھوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس محل کے پھاٹکوں سے داخل ہوں گے۔ لیکن اگر تم ان احکام کو نہ مانو گے تو خداوند فرماتا ہے کہ میری جان کی قسم، یہ محل ویران ہو جائے گا۔'' (یرمیاہ، ۲۲:۴۔۵)

جرائم وعقوبات

کسی معاشرے میں امن و امان کے قیام کے لیے لوگوں کو جرائم اور ان کی قباحت سے خبردار کرنا ایک ضروری امر ہے۔ اگر کسی کو جرم کا تعارف اور اس کی قباحت کا علم نہ ہو تو اس کا اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے عہد نامۂ قدیم میں حکم دیا گیا ہے کہ عام لوگوں کو جرائم سے خبردار کیا جائے:

''جب تمہارے ہم وطنوں کی طرف سے، جو شہروں میں رہتے ہیں، کوئی ایسا مقدمہ آئے جو قتل و غارت یا شریعت اور احکام یا آئین یا قوانین سے تعلق رکھتا ہو تو تم انہیں آگاہ کرنا، تاکہ وہ خداوند کے خلاف گناہ نہ کریں۔ ورنہ اس کا غضب تم پر اور تمہارے بھائیوں پر نازل ہو گا۔ تم یہ کرو تو تم سے خطا نہ ہوگی۔'' (تواریخ دوم، ۱۹:۱۰)

نظامِ قضا

مختلف بستیوں میں پیش آمدہ مسائل کے حل اور جھگڑوں کے تصفیے کے لیے ضروری ہے کہ قاضی مقرر ہوں۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم میں اس بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے:

''خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلہ کے لیے قاضی اور حاکم مقرر کرلو، جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔ تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانب دار رہنا۔'' (استثنائ، ۱۶:۱۸۔۱۹)

عہد نامۂ قدیم میں جہاں امن و امان اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے قاضیوں کے تقرر کا حکم ہے، وہیں ان کے احکام کو قابل عمل بنانے کے لیے ان کی حکم عدولی پر سزا بھی مقرر کی گئی ہے:

''لاوی کاہنوں اور ان دنوں جو قاضی برسر اقتدار ہوں، ان کے پاس جانا، ان سے دریافت کرنا اور وہ تمہیں فیصلہ سنائیں گے۔ خداوند کے چنے ہوئے مقام پر وہ جو فیصلہ تمہیں سنائیں، اسی کے مطابق عمل کرنا۔ وہ جو کچھ کرنے کی تمہیں ہدایت دیں، بڑی احتیاط کے ساتھ اس پر عمل کرنا۔ شریعت کی جو بھی تعلیم وہ دیں اور جو فیصلے وہ تمہیں سنائیں، ان ہی کے مطابق عمل کرنا۔ وہ جو کچھ تمہیں بتائیں، اس سے ہرگز روگردانی نہ کرنا۔ جو شخص قاضی یا اس کاہن کی، جو وہاں خداوند تمہارے خدا کی خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے، توہین کرتا ہے، وہ جان سے مار ڈالا جائے۔ تمہیں اسرائیل سے ایسی برائی کو دور کرنا ہی ہوگا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر توہین نہ کریں گے۔'' (استثنائ، ۱۷:۹-۱۳)

ایک مقام پر قاضیوں اور حاکموں کے انتخاب کا مقصد امن و انصاف کا قیام قرار دیتے ہوئے اس کا طریقۂ کار یوں بیان کیا گیا ہے:

''تو ان لوگوں میں سے لائق آدمی چن لے، ایسے آدمی جو خدا ترس اور قابل اعتماد ہوں اور رشوت کے دشمن ہوں اور انہیں ہزار ہزار، سو سو، پچاس پچاس اور دس دس افراد پر بطور حاکم مقرر کر دے، تاکہ وہ ہر وقت لوگوں کا انصاف کریں۔'' (خروج، ۱۸:۲۱-۲۲)

اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کا فیصلہ حاکمِ وقت کے لیے موجودہ قانون کی روشنی میں کرنا مشکل ہو تو اس کے بارے میں عہد نامۂ قدیم میں یہ رہنمائی موجود ہے کہ ایک قانون ساز مجلس کی تقرری کر لی جائے اور باہم مشورہ سے معاملہ طے کر لیا جائے:

''اگر تیری بستیوں میں کہیں آپس کے خون یا آپس کے دعوے یا آپس

کی مار پیٹ کی بابت کوئی جھگڑے کی بات اٹھے اور اس کا فیصلہ کرنا تیرے لیے نہایت ہی مشکل ہو تو اٹھ کر اس جگہ، جسے خداوند تیرا خدا چنے گا اور لاوی، کاہنوں اور ان دونوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر ان سے دریافت کرنا اور وہ تجھ کو فیصلہ کی بابت بتائیں گے۔ اور تو اس فیصلہ کے مطابق کرنا جو وہ تجھ کو اس جگہ سے بتائیں اور جو فتویٰ وہ دیں، اس سے دائیں بائیں نہ مڑنا۔'' (استثنائ، ۱۷:۸۔۱۱)

معاشرے میں ہونے والے جھگڑوں کے تصفیے، ظالم کو سزا دینے اور مظلوم کی دادرسی کے لیے عدالتوں سے رجوع کرنا ضروری ہے، ورنہ ملک خانہ جنگی کا شکار ہو کر رہ جائے گا اور اس کا سارا امن تہہ و بالا ہو جائے گا، دنگا و فساد کو راہ مل جائے گی۔ اس سلسلے میں عہد نامۂ قدیم میں کیا گیا ہے:

''اگر لوگوں میں کسی طرح کا جھگڑا ہو تو وہ عدالت میں آئیں، تاکہ قاضی ان کا انصاف کریں، صادق کو بے گناہ ٹھہرائیں اور شریر پر فتویٰ دیں۔'' (استثنائ، ۲۵:۱)

کسی بھی مجرم کے جرم کو ثابت کرنے کے لیے گواہی کی بڑی اہمیت ہے اور درست فیصلہ کرنے اور عدل و انصاف اور امن قائم کرنے کے لیے سچی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس حوالے سے بھی کافی ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ گواہی کی ضرورت اور گواہوں کی تعداد کے بارے میں کہا گیا ہے:

''دو یا تین گواہوں کی شہادت کی بنا پر ہی کوئی شخص جان سے مارا جائے۔ ایک گواہ کی شہادت سے کوئی شخص جان سے نہ مارا جائے۔ اسے مار ڈالنے کے لیے سب سے پہلے گواہوں کے اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کے ہاتھ اس پر اٹھیں۔ تمہیں اپنے بیچ سے ایسی برائی کو دور کرنا ہی ہوگا۔'' (استثنائ، ۱۷:۶۔۷)

مزید ملاحظہ کیجیے: گنتی، ۳۵:۳۰، استثنائ، ۱۹:۱۵

جھوٹی گواہی کی ممانعت اور سزا

جھوٹی گواہی ایک بہت بڑا معاشرتی ناسور ہے۔ اس سے مظلوم ظالم اور ظالم مظلوم بن جاتا ہے۔ یوں سارے کا سارا انصاف اور امن تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے عہد نامہ قدیم میں جھوٹی گواہی دینے سے روکا گیا ہے اور اس کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے:

''تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔'' (خروج، ۲۰:۱۶، استثنائ، ۵:۲۰)

جھوٹی گواہی کی سزا کیا ہے؟ اس بارے میں عہد نامہ قدیم میں ہے :

''اگر کوئی کینہ پرور گواہ کسی آدمی پر کسی خطا کا الزام لگانے کے لیے کھڑا ہو تو وہ دونوں فریق، جو اس مقدمہ میں الجھے ہوئے ہوں، خداوند کے حضور کاہنوں اور ان قاضیوں کے آگے کھڑے ہوں جو ان دنوں برسرِ اقتدار ہوں۔ قاضی پوری تحقیقات کر لیں اور اگر گواہ جھوٹا ثابت ہو اور اس نے اپنے بھائی کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہو تو اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا جیسا وہ اپنے بھائی کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ تم اپنے بیچ میں سے ایسی برائی کو دور کر دینا۔ اور باقی کے لوگ یہ سن کر ڈریں گے اور پھر کبھی ایسی برائی تمہارے درمیان نہ ہو پائے گی۔'' (استثنائ، ۱۹:۱۵-۲۰)

قانونِ قصاص

دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے قانونِ قصاص لازمی ہے۔ اس کو نافذ کیے بغیر کبھی امن اور عدل و انصاف کا قیام ممکن نہیں۔ گویا انسانی زندگی کی بقا کے لیے قانونِ قصاص کا نفاذ ضروری ہے۔ قانونِ قصاص کو عہد نامۂ قدیم نے یوں بیان کیا ہے:

''جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔'' (استثنائ، ۱۹:۲۰)

عام لوگوں کے لیے قوانینِ امن

امن وامان کے لیے کچھ خاص احکام قاضیوں اور حاکموں سے متعلق ہوتے ہیں تو کچھ احکام عام لوگوں کی روزمرہ زندگی میں امن وامان کی فضا پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔عمومی طور پر ہوتا یہ ہے کہ خصوصی احکام کو اہمیت دی جاتی ہے اور عمومی احکام کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ حالاں کہ جب تک عوام کے درمیان امن و امان کے اصول لاگو نہیں ہوں گے، اس کا قیام ایک خواب ہی رہے گا۔ اس تعلق سے عہد نامۂ قدیم میں عام لوگوں کے لیے بہت سے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ اپنے بھائیوں سے خلوص: خلوص کسی بھی پرامن معاشرے کی جان ہوتا ہے۔ جہاں مفاد پرستی اور ہوائے نفس پروان چڑھنے لگے وہاں بدامنی اور انتشار کا پنپنا لازمی امر ہے۔ دنیا کے جتنے بھی معاملات خوش اسلوبی سے طے پاتے ہیں، ان میں خلوص کارفرما ہوتا ہے اور جتنے بھی معاملات مختلف خرابیوں کا شکار ہوتے ہیں، ان میں مفاد پرستی کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر کامیاب تحریک کی کامیابی کا سہرا اس کے کارکنان کے خلوص کے سر ہوتا ہے۔ اپنے بھائیوں کے لیے دل کو صاف رکھنا خلوص ہے اور خلوص امن و امان کی جان ہے۔ اسی لیے عہد نامۂ قدیم میں یہ حکم دیا گیا ہے:

''تو اپنے دل میں اپنے بھائی سے بغض نہ رکھنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۷)

ایک مقام پر تو عدمِ خلوص کو چوری اور جھوٹ کے ساتھ ملا کر اس کی قباحت و شناعت بیان کی گئی ہے:

''تم چوری نہ کرنا اور نہ جھوٹ بولنا اور نہ ایک دوسرے کو دھوکا دینا۔'' (احبار، ۱۹:۱۱)

یعنی جس طرح چوری اور جھوٹ کی موجودگی میں بدامنی اور انتشار پیدا ہوتا ہے، اسی طرح خلوص کی عدم موجودگی میں بھی بدامنی اور فساد کو راہ ملتی ہے۔

۲۔ پڑوسی سے حسن سلوک: حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر نہ کوئی

معاشرہ ترقی کرسکتا ہے نہ کوئی سلطنت قائم رہ سکتی ہے۔ اگر لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے تو ضروری طور پر دھینگا مشتی ، دنگا فساد اور قتل و غارت کا راج ہوجائے گا۔ اس سلسلے میں پڑوسی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے والدین ، بہن بھائیوں اور اولاد کے بعد عام لوگوں میں سے سب سے اہم حق پڑوسی ہی کو حاصل ہے ، کیونکہ اگر پڑوسی ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہیں کریں گے تو صرف دو گھروں کا امن برباد نہیں ہوگا، بلکہ دو خاندانوں میں فساد پڑے گا جو بڑھتا بڑھتا پورے معاشرے کے امن و امان کو بھسم کردے گا۔ اسی لیے عہد نامہ قدیم میں ہے :

''تم اپنے پڑوسی کو مت ٹھگنا اور نہ ہی اسے لوٹنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۳)

''اور نہ اپنے پڑوسی کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۶)

پڑوسی سے حسن سلوک کا انداز کیسا ہو؟ اس کے بارے میں عہد نامۂ قدیم میں ہے:

''انتقام نہ لینا اور نہ اپنی قوم کے کسی شخص سے کینہ رکھنا، بلکہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کرنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۸)

۳۔ مزدور کی مزدوری کی فوری ادائیگی: مزدور کسی بھی معاشرے کے بنیادی افراد ہوتے ہیں۔ ان ہی کی محنت اور مشقت سے باقی افراد کی زندگی پرآسائش بنتی ہے۔ اس لیے مزدوروں کے حقوق کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان کے حقوق کا استحصال ہونے لگے تو وہ معاشرے کی خدمت درست انداز سے نہیں کرسکتے۔ یوں اس بنیادی طبقے کی پریشانی سے سارے معاشرے میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ مزدوروں کے حقوق میں سے ایک اہم حق ان کی مزدوری اور اجرت کو پورا پورا اور وقت پر ادا کرنا ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

''اور نہ کسی مزدور کی مزدوری رات بھر روکے رکھنا۔'' (احبار، ۱۹:۱۳)

۴۔ معذوروں سے حسن سلوک: کسی بھی معاشرے میں جہاں باصلاحیت اور صحت مند افراد ہوتے ہیں ، وہاں معذور افراد بھی لازمی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے کہ کسی کو صحت و عافیت سے نواز دے اور کسی کو

معذوری جیسی آزمائش میں ڈال دے۔ جو لوگ صحت مند ہوتے ہیں ان کا یہ فرض ہے کہ اپنی تندرستی کا شکر معذوروں سے تعاون کی صورت میں ادا کریں۔ اگر تعاون نہ ہو سکے تو کم از کم ان کو مزید دکھ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔ عہد نامۂ قدیم میں ہے:

''تو بہرے کو نہ کوسنا اور نہ اندھے کے آگے کوئی ایسی شَے رکھنا جس سے اسے ٹھیس پہنچے، بلکہ اپنے خدا سے ڈرنا۔ میں خدا ہوں۔'' (احبار،۱۹:۱۴)

۵۔ ناپ تول میں برابری: ہر انسان اپنی زندگی کی بقا کی خاطر دوسرے انسانوں سے لین دین کا محتاج ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی انسان اپنی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں کر سکتا۔ فطرتِ سلیمہ، الہامی مذاہب اور امن و امان سب کا تقاضا ہے کہ خرید و فروخت میں دیانت داری سے کام لیا جائے اور لینے اور دینے کے باٹ ایک ہی رکھے جائیں۔ اگر ناپ تول میں کمی کی جائے گی تو دوسروں کا استحصال ہوگا۔ یوں معاشرے کا امن تباہ ہو جاتا ہے۔ عہد نامۂ قدیم میں اس سلسلے میں یہ ہدایات دی گئی ہیں:

''تم وزن، مقدار اور ناپ تول کے لیے ناقص پیمانوں کو استعمال میں نہ لانا۔ اور ٹھیک ترازو، ٹھیک باٹ، پورا اَیفہ اور پورا ہین استعمال کرنا۔''

(احبار،۱۹:۳۵)

۶۔ پردیسیوں سے اچھا برتاؤ: اپنا وطن بہت بڑی دولت ہے۔ اجنبی پن ایک مصیبت ہوتا ہے، جس کا احساس صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو کہیں اجنبی زندگی گزار رہا ہو۔ پردیسی کو ایک تو اپنے دیس اور اپنے رشتہ داروں کی یادیں ستا رہی ہوتی ہیں دوسرے اگر دیس والے بھی اس کے ساتھ بدسلوکی روا رکھنے لگیں تو اس بے چارے کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں عہد نامۂ قدیم میں کہا گیا ہے:

''کوئی پردیسی تمہارے ساتھ تمہارے ملک میں رہتا ہو تو اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا۔ جو پردیسی تمہارے ساتھ رہتا ہو اس سے دیسی جیسا برتاؤ کرنا، بلکہ تم اس سے اپنے ہی مانند محبت کرنا، کیونکہ تم بھی مصر میں پردیسی تھے۔ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔'' (احبار،۱۹:۳۳)

تالمود میں تعلیماتِ امن

یہودیوں کا اہم فقہی ماخذ تالمود بھی امن کا داعی ہے۔ یہودی ربیوں کے اقوال اور روایات سے اخوت و محبت، فیاضی و کشادہ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ یہودی قوانین، جن میں امن کو سب سے اہم قرار دیا گیا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- پیار و محبت میں تھوڑی سی جگہ بھی کافی ہوتی ہے، جب کہ نفرت میں کشادہ مکان بھی تنگ لگے گا۔
- دوسروں کے لیے اپنی مرضی کی قربانی دے، تاکہ وہ تیرے لئے اپنی مرضی کی قربانی کو انجام دے سکیں۔
- جو انسان کو پیار کرتا ہے وہ خدا کو پیار کرتا ہے۔

تلمود میں ایک مقام پر یہ الفاظ موجود ہیں:

ربی یوسی نے کہا کہ: ''بائبل مقدس ہمیں امن قائم رکھنے کے لیے دی گئی ہے۔۵

یہودیت کا مقصد بنی نوع انسان کو علیٰحدہ کرنا نہیں، بلکہ متحد کرنا ہے اور یہ ربی مئیر کی زندگی کا ایک عظیم اصول تھا۔۶

ربّی مئیر نے کہا:

> ''ہر آدمی انکساری اور حلیمی میں چلے، نہ صرف اپنے ہم مذہب کے ساتھ، بلکہ ہر انسان کے ساتھ۔''۷

کاہن اعظم ربّی اسماعیل نے کہا:

> ''جب ایک آدمی سچائی اور انصاف کی راہ پر چلتا ہے تو خدا اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے، لیکن اگر وہ گناہ کی راہ کو چنتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میں نے تجھے عقل اور مرضی دی اور تو اپنی راہ پر چل رہا ہے۔''۸

لمحۂ فکریہ

تعلیماتِ موسوی اپنے نزولی دور میں الہامی تعلیمات تھیں اور الٰہی احکام کی تعمیل میں امن کا قیام ان کا مقصود تھا۔ باوجود تحریف وتغیر کے عہدنامۂ قدیم میں اس امن کی کچھ تعلیمات ابھی تک باقی ہیں، لیکن کیا یہود ان پر عمل پیرا ہیں؟ یہود کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ تورات کے احکام سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے اور موقع پرستی اور دنیوی اقتدار کے لیے ان تعلیمات کو پس پشت ڈالتے رہے۔کون نہیں جانتا کہ قیامِ اسرائیل عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیرنے کا عمل ہے اور آج بھی اہل فلسطین کی فغانِ نیم شبی اقوامِ عالم کو تڑپائے ہوئے ہے۔نظری اعتبار سے آج بھی یہود کا دعویٰ امن کا ہی ہے، یہاں تک کہ وہ ڈھٹائی سے اسرائیل کے قیام کو بھی امن سے تعبیر کرتے ہیں،لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ Violence, Terrorism and Teachings of Islam,Dr M Imtiaz Zafar, P:38۔

۲۔ قاموس الکتاب،ص ۵۲۸

۳۔ ایضاً

۴۔ یہی مضمون میکاہ، ۴:۱۔۵ میں بھی بیان ہوا ہے۔

۵۔ تالمود، انگریزی (مترجم ایچ پولانو+ اردو مترجم سٹیفن بشیر)، مکتبہ عنا ویم پاکستان، گوجرانوالہ، ۲۰۰۶ئ،ص، ۲۱۲

۶۔ تالمود، انگریزی (مترجم ایچ پولانو+ اردو مترجم سٹیفن بشیر)،ص ۱۴۱

۷۔ ایضاً،ص ۱۴۱

۸۔ ایضاً، ۱۴۰

☆☆☆

ابوعبدالرحمٰن السُلَمِی ۔حیات وخدمات

ڈاکٹرمحمد مشتاق تجاروی

ابوعبدالرحمٰن السُلَمِی کا پورانام ونسب یہ تھا:ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن محمد بن موسیٰ الازدی السُلَمِی النیسابوری۔وہ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ان کے والدقبیلہ بنی ازد سے تھے اوران کی والدہ کاتعلق بنوسلیم سے تھا۔اس زمانے میں نیشاپور میں بنوسلیم انتہائی معزز خاندان ماناجاتا تھا۔یہ لوگ دولت وسیادت اورعلم وفضل ہراعتبار سےصاحب حیثیت تھے۔ایک زمانہ میں وہ نیشاپور کے حاکم بھی رہ چکے تھے۔ابوعبدالرحمن کے نانا ابوعمرو بن نجید بڑے عالم اور صوفی تھے۔انھوں نے ہی ابوعبدالرحمن کی پرورش کی تھی۔اس لیے باپ کی نسبت الازدی کے مقابلے میں نانا کی نسبت السلمی سے زیادہ مشہور ہوئے۔

خاندان

ابوعبدالرحمن السلمی کے والد بھی بڑے عالم اور زاہدوصوفی تھے۔ان کے بارے میں امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں لکھا ہے: **قلما رأیت فی أصحاب المعاملات مثله۔** ۱؎ (میں نے اصحاب معاملات میں ان جیسا کوئی دوسرانہیں دیکھا)۔علامہ جامی نے ان کا مستقل تذکرہ لکھاہے اوران کی بڑی تعریف کی ہے۔۲؎ وہ عبداللہ المنازل اورابوعلی الثقفی کی صحبت میں رہے۔انھوں نے شبلی کو دیکھا تھا۔انھوں نے صوفیہ سے متعلق کچھ چیزیں بھی تحریر کی تھیں،لیکن اب ان کی کسی تحریر کا سراغ نہیں ملتا۔کہیں کہیں خود سلمی ان کے حوالے دیتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کی تحریر میں ایسا لکھا ہوا دیکھا ۳؎ ان کے والد کی وفات ۳۴۸ھ/ ۹۵۹ء میں ہوئی۔

ابوعبدالرحمن السلمی کی والدہ بھی ایک صاحبِ ذکر اور فاضلہ خاتون تھیں اوران

کے والد ابوعمرو بن نجید کی تربیت وصحبت اور صوفی منش شوہر کی رفاقت نے ان کے ذاتی خصائل کی مزید پرورش کی ہوگی۔ ان کے بارے میں تفصیلات کم ملتی ہیں۔ ان کی ایک نصیحت خود سلمی نے روایت کی ہے، جس سے ان کے ذوق ومزاج کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جب شیخ ابوالقاسم النصرآبادی نے حج کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ سلمی نے بھی اپنی والدہ سے حج پر جانے کی اجازت مانگی۔ والدہ نے اجازت بھی دی اور یہ نصیحت بھی کی :**توجهت الی بیت الله، فلا یکتبنّ علیک حافظاک شیئاً تستحیی منه غداً** [۴] (تم بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہو۔ اس کا دھیان رکھنا کہ فرشتے تمھاری کسی ایسی بات کو نہ لکھنے پائیں، جس کی وجہ سے تم کو کل شرمندہ ہونا پڑے) شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں ضمناً ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مزاج ورجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت

ابوعبدالرحمن السلمی بروز منگل، ۱۰/ جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/ ۲۵/ اپریل ۹۳۷ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔[۵] ان کے والد بہت امیر نہ تھے، لیکن بیٹے کی ولادت کی خوشی میں انھوں نے اپنا تمام اثاثہ بیچ کر صدقہ کر دیا۔[۶]

سلمی کے ایک شاگرد اور جلیل القدر صوفی محمد بن علی الخشاب نے اپنے شیخ کی سوانح حیات لکھی تھی۔ وہ کتاب تو ضائع ہوگئی، لیکن امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء اور تاریخ الاسلام میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے یہ دونوں کتابیں سلمی کے حالات کے لیے بڑی حد تک مستند مراجع ہیں۔ ذہبی نے عبدالفاخر بن اسماعیل الفارسی کی کتاب 'سیاق التاریخ' کو بھی بطور مرجع استعمال کیا ہے۔ اس کتاب میں سلمی کا سنہ ولادت ۳۳۰ھ/۹۴۱ء لکھا ہے۔ لیکن ان کے شاگرد محمد بن علی الخشاب کی تحریر کردہ تاریخ، جو اوپر مذکور ہے، وہ زیادہ معتبر ہے اور امام ذہبی نے ان کی رائے نقل کرنے کے بعد اس کے حق میں دلائل بھی دیے ہیں۔ ذہبی کی ایک دلیل یہ ہے کہ ۳۳۳ھ/ ۹۴۴ء میں سلمی نے ابوبکر الضبعی سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔[۷] اس لیے اس وقت ان کی عمر کم از کم سات یا آٹھ سال

ہوگی، جو بالعموم تعلیم کے آغاز کا سن ہوتا ہے، تین سال نہیں ہوگی کہ اس عمر کے بچے سے حدیث نقل کرنا متصور نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سلمی کی ولادت مکی بن عبداللہ کی وفات کے چار دن بعد ہوئی تھی اور مکی بن عبدالرحمن کا انتقال ٦/جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/۲۱/اپریل ۹۳۷ء میں ہوا تھا۔ ۸؎ اس لیے چار دن بعد ۱۰/ جمادی الاخریٰ ۳۲۵ھ/ ۲۵/اپریل ۹۳۷ء میں ان کی ولادت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

تعلیم وتربیت

ابوعبدالرحمن السلمی کا گھریلو ماحول علمی و دینی تھا۔ چنانچہ بالکل ابتداء میں ہی ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوگیا تھا۔ جب ان کی عمر صرف سات یا آٹھ سال تھی۔ اس وقت سے انھوں نے حدیث لکھنی شروع کی۔ نیشا پور کے جید عالم ابو بکر الضبعی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ۹؎ اور یہاں سے تعلیم کی تکمیل کے بعد بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور عراق، بغداد، رے، ہمدان، مرو، حجاز وغیرہ کے مشائخ سے حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ خطیب نے بغداد کے متعدد اسفار کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۰؎

اساتذہ

سلمیٰ نے بلاد اسلامیہ کے اپنے علمی سفر میں بے شمار علماء سے استفادہ کیا، خاص طور پر تصوف اور حدیث کے ائمہ سے انھوں نے زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سب سے مشہور شخصیت امام دارقطنیؒ کی ہے، جو حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ ان کی کتاب سنن دارقطنی صحاح ستہ کے بعد حدیث کی سب سے معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ سلمی نے ان سے طویل عرصے تک استفادہ کیا اور جرح و تعدیلِ رواۃ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے صرف امام دارقطنی کے اقوال جمع کیے ہیں۔ چوں کہ یہ کتاب سوالات و جوابات کی شکل میں ہے، اس لیے اس کا نام ہی 'کتاب السؤالات' ہے۔ دارقطنی کے علاوہ ابونصر السّراج، جن کی کتاب 'اللمع فی التصوف' تصوف کی سب سے پہلی باضابطہ تصنیف مانی جاتی ہے، وہ بھی ان کے اساتذہ میں ہیں۔ ان کے علاوہ ابوالقاسم النصرآبادی احمد بن علی بن شاذان ابن حسنویہ، حلیۃ الاولیاء کے مصنف

ابونعیم الاصفہانی، ابوبکر القفال الشاشی، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی اور بہت سے اساتذہ سے انھوں نے اکتسابِ فیض کیا۔

نورالدین شریبہ نے سلمی کے ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔۱۱؎ ان کی مختلف کتابوں میں جو روایات ہیں، ان میں کم وبیش سو (۱۰۰) اساتذہ کا تو یقیناً تذکرہ مل جائے گا۔

سلمی نے ابوالقاسم نصرآبادی کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے۔ انھوں نے ابوالقاسم کے بارے میں لکھا ہے کہ جب بھی ہم کسی نئے شہر میں پہنچتے تو ابوالقاسم مجھ سے کہتے: چلو یہاں چل کر حدیث سنتے ہیں۔۱۲؎

تلامذہ

سلمی کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان کے بعض تلامذہ کو شہرتِ لازوال حاصل ہوئی۔ وہ اپنے اپنے علم وفن کے میدان میں امام تسلیم کیے گئے۔ ان کے تلامذہ میں حدیث کے مشہور امام بیہقیؒ بھی ہیں۔ ان کے علاوہ تصوف کے امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ، امام ابوالمعالی جوینی نیشاپوریؒ اور تصوف کے جلیل القدر امام شاہ ابوسعید ابوالخیرؒ بھی ان کے شاگرد ہیں۔ مستدرک علی الصحیحین کے مصنف امام حاکمؒ اصلاً تو ان کے ساتھی ہیں، لیکن تاریخ نیشاپور میں انھوں نے سلمی سے روایات لی ہیں، اس لیے ان کو بھی ان کے تلامذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ نورالدین شریبہ نے اور بھی بعض اصحاب کا تعارف کرایا ہے، جنھوں نے سلمی سے روایات لی ہیں، اس طرح ان کا شمار ان کے حلقۂ تلامذہ میں ہوتا ہے۔

علمی مقام ومرتبہ

ابوعبدالرحمن السلمی تفسیر اور تصوف کے بڑے امام تھے۔ اگرچہ ان کے زمانے میں متداول دیگر علوم پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، لیکن ان کو زیادہ شہرت انہی دو علوم کی وجہ سے ملی اور ان کی اکثر تصانیف بھی تصوف سے ہی متعلق ہیں۔ ان کے بارے میں ان کے معاصرین اور تلامذہ نے جو کچھ لکھا ہے اور بعد کے علما میں جس طرح ان کے علوم اور ان کی کتابوں کو

مقبولیت ملی ہے، اس سے ان کے علمی مقام ومرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کے ایک معاصر اوراستاداوراپنے وقت کے جید عالم ابونعیم اصفہانیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''سلمی ان لوگوں میں سے تھے جن کوتصوف میں کامل درک حاصل تھا۔ انھوں نے تصوف کو اسلافِ اولین کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا، ان کے طریقے کا اتباع کیا اور ان کے آثار وکتب سے وابستہ رہے۔ جاہل اورنفس پرست صوفیہ نے تصوف میں جو اضافہ کیے ہیں وہ ان سے دور تھے اور ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں تصوف کی حقیقت اتباع رسول ﷺ میں مضمر تھی۔''۱۳؎

خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے:

''ابوعبدالرحمن کا مقام ومرتبہ ان کے اہل شہر میں بہت بلند تھا اورصوفیہ کے درمیان ان کی بڑی حیثیت تھی۔ساتھ ہی وہ حدیث کے بھی عالم تھے۔ انھوں نے مشائخِ حدیث سے روایات جمع کیں اور کتابیں لکھیں۔نیشا پور میں ان کا ایک دائرہ [خانقاہ] اب بھی ہے جس میں صوفیہ رہتے ہیں۔میں خود وہاں گیا تھا۔اسی دائرہ میں ان کی قبر ہے۔ میں نے قبر کی زیارت بھی کی تھی۔ ۱۴؎

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:

''سلمی خاص وعام، موافق ومخالف، حکم راں ورعایا، سب کے درمیان اوران کے اپنے شہر میں اور بلاد اسلامیہ کے ہر شہر میں یکساں مقبول تھے۔اسی حالت میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔''۱۵؎

حافظ عبدالغافر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

''ابوعبدالرحمن اپنے عہد میں طریقۂ تصوف کے شیخ تھے۔ان کو تمام علوم کے حقائق اور طریقۂ تصوف کی معرفت حاصل تھی۔ انھوں نے فنِ تصوف میں بڑی نادر کتابیں لکھیں اور انھوں نے ایسا کتب خانہ تشکیل دیا تھا کہ ان سے قبل کوئی بھی ایسا کتب خانہ تیار نہ کرسکا۔''۱۶؎

اہلِ علم کی تنقید

سلمی کے بارے میں ان کے بعض معاصرین اور خاص طور پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ محمد بن یوسف النیشا پوری القطان کہتے ہیں کہ ابوعبدالرحمن سلمی غیر ثقہ ہیں۔ انھوں نے اصم سے صرف چند باتیں ہی سنی تھیں، لیکن امام حاکم ابوعبداللہ بن ربیع کی وفات کے بعد تاریخ یحییٰ بن معین کی مدد سے اصم کی روایات بیان کرنے لگے۔ ان کے سوا بھی بہت سی باتیں بیان کرنے لگے۔ وہ صوفیہ کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ ۱۷؎

شذرات الذہب میں بھی یہی بات اختصار کے ساتھ آئی ہے۔ ۱۸؎

ذہبی نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگرچہ امام بیہقی، قاسم بن الفضل الثقفی اور محمد بن یحییٰ المزکی نے ان سے روایات لی ہیں، لیکن حدیث کے معاملے میں وہ ضعیف ہیں۔ ۱۹؎ اس کے ساتھ امام ذہبی نے ان کا دفاع بھی کیا ہے اور قطان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ سلمی نے سؤالات دارقطنی لکھی ہے، جس میں رواۃ اور مشائخ کے بارے میں ماہرانہ سوالات کیے ہیں۔ ۲۰؎ لیکن ساتھ ہی ذہبی نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ سلمی کی کتابوں میں موضوع روایات وقصص ہیں۔ البتہ ایک موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ سلمی جھوٹی روایات خود بیان نہیں کرتے، بلکہ محمد بن عبداللہ الرازی الصوفی وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔ ۲۱؎

سلمی پر دوسری تنقید ان کی تفسیر کے حوالے سے کی گئی ہے۔ ذہبی نے حدیث کے معاملے میں یک گونہ ان کی حمایت کی ہے، لیکن تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی بات درست نہیں ہے۔ بعض ائمہ نے اس کو زندقہ کہا ہے، جب کہ بعض نے اس کو حقیقت ومعرفت سے تعبیر کیا ہے۔ امام ابوالحسن الواحدیؒ، جو خود بھی بڑے مفسرِ قرآن ہیں، ان کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فان اعتقد أن ذلک تفسیر فقد کفر۔'' ۲۲؎

(اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ تفسیر ہے تو اس نے کفر کیا۔)

امام واحدی کی تنقید خاصی مبالغہ آمیز ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ لطائف الاشارات میں مذکور تفسیری آراء اول تو سلمی کی نہیں ہیں، بلکہ وہ دیگر صوفیہ کی آرا ہیں، سلمی نے ان کو جمع کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں کوئی بات کفریہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر بالرائے ہے۔

لطائف الاشارات پر علما نے سخت تنقید کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ہر زمانے میں علماء کی ایک جماعت نے اس تفسیر کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے اور بڑے اہتمام سے اس کے مطالعے کی روایت رہی ہے۔ مصنف کی حیات میں ہی بغداد و مصر میں اس کا باضابطہ سماع ہوتا تھا۔ کئی دوسرے علماء اور بعض امراء نے اس کتاب کے نسخے تیار کروائے اور مصنف کو انعام واکرام سے نوازا۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ تفسیر لوگوں کے درمیان متداول رہی۔ نورالدین شریبہ نے اس کو ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

سلمی پر تنقید کے حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ ان پر حدیث وضع کرنے کا الزام محمد بن یوسف القطان نے لگایا ہے، لیکن یہ الزام مبہم ہے۔ ان کی تنقید ہے: ”**کان یضع للصوفیة أحادیث**“ (وہ صوفیہ کے لیے احادیث وضع کرتے تھے)۔ اس طرح کی مبہم تنقید کسی کو متہم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس لیے خطیب بغدادی، جنھوں نے یہ تنقید سب سے پہلے نقل کی ہے، انھوں نے بھی کہا ہے: **و قد کان مع ذلک صاحب حدیث مجوداً**۔ ۲۳؎ (اس کے باوجود وہ اچھے محدث تھے) اور طبقات الشافعیۃ کے مصنف نے لکھا ہے: **أبو عبدالرحمن ثقه و لا عبرة بهذا الکلام** (ابوعبدالرحمن ثقہ ہیں اور (قطان کے) اس قول کا کوئی اعتبار نہیں۔) ۲۴؎

قطان نے سلمی پر دوسرا الزام یہ لگایا ہے کہ وہ امام حاکم کی وفات کے بعد یحییٰ بن معین کی تاریخ سے اصم کی روایات بیان کرنے لگے۔ ۲۵؎ امام حاکم کا انتقال ۴۰۵ھ میں ہوا۔ اس وقت سلمی کی عمر اسّی (۸۰) سال تھی۔ کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص ساری زندگی زہد و تقوی کی زندگی گزارتا رہے اور بڑھاپے میں ایک معمولی

بات کے ذریعے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر لے۔ اس لیے بظاہر سلمی کو وضع حدیث سے متہم کرنے یا دوسرے اعتراض سے متہم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

تصانیف

سلمی کے والد بہت کشادہ حال نہیں تھے، لیکن ان کے نانا ابوعمرو بن نجید امیر آدمی تھے۔ سلمی کی پرورش دراصل ان کے نانا نے کی اور سوائے سلمی کی والدہ کے ان کے نانا کا کوئی اور وارث نہیں تھا، اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کے وارث سلمی ہی ہوئے۔ ابوعمرو بن نجید کے اثاثے کا تخمینہ تین ہزار دینار لگایا گیا ہے۔۲۶ سلمی نے اس اثاثے کو علم کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ انھوں نے ایک بڑی لائبریری تیار کی تھی۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ ایسا کتب خانہ ان سے قبل کسی نے جمع نہیں کیا۔۲۷ سلمی نے ۳۵۵ھ کے قریب تصنیف و تالیف کا آغاز کیا اور سات سو (۷۰۰) اجزاء لکھے اور تین سو (۳۰۰) اجزاء احادیثِ نبویؐ کے لکھے۔ ان کی تصانیف بہت مقبول تھیں۔ ۲۸ سلمی چالیس (۴۰) سال سے زیادہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔۲۹

سلمی کی تصانیف کی تعداد سوانح نگاروں نے مختلف لکھی ہے۔ اکثر مورخین نے ان کی تعداد سو (۱۰۰) بیان کی ہے۔ ابن العماد نے بھی یہی تعداد لکھی ہے۔۳۰ ذہبی نے سو سے زیادہ تعداد لکھی ہے۔ یہ تصانیف ان کی زندگی میں ہی بہت مقبول ہوگئی تھیں۔ ان کی تفسیر کو لوگ باضابطہ منبر قائم کر کے سنا کرتے تھے۔ ذہبی نے لکھا ہے:

> ''ان کی تصنیفات بہت مقبول تھیں۔ لوگ ان کو بہت پسند کرتے تھے، گراں قیمت پر خریدتے تھے اور ان سے ان کی روایت کرتے تھے۔''۳۱

ابوعبدالرحمن سلمی نے تفسیر، اسماء الرجال اور تصوف میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ فؤاد سیزگین نے ان کی حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ حقائق التفسیر

۲۔ طبقات الصوفیۃ: یہ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ شیخ الاسلام

عبداللہ انصاری نے اس کا آزاد فارسی ترجمہ اور اس پر اضافے کیے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی طبقات الصوفیۃ کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۳۔ مناھج العارفین: یہ کتاب سلوک مناھج العارفین کے نام سے بھی ملتی ہے۔

۴۔ جوامع آداب الصوفیۃ

۵۔ عیوب النفس و مداواتھا: ابن زروق البرنسی نے اس کی منظوم شرح 'الانس فی عیوب النفس' کے نام سے لکھی ہے۔

۶۔ رسالۃ الملامتیۃ ۷۔ درجات المعاملات

۸۔ آداب الصحبۃ وحسن العشیرۃ ۹۔ آداب الفقر وشرائطہ

۱۰۔ الفرق بین علم الشریعۃ والحقیقۃ ۱۱۔ مسألۃ درجات الصالحین

۱۲۔ غلطات الصوفیۃ ۱۳۔ بیان زلل الفقراء ومواجب آدابھم

۱۴۔ کتاب الفتوۃ ۱۵۔ سلوک العارفین

۱۶۔ مقدمۃ فی التصوف ۱۷۔ بیان أحوال الصوفیۃ

۱۸۔ تہذیب الناسخ والمنسوخ فی القرآن لابن شہاب زہری

۱۹۔ الأربعون فی أخلاق الصوفیۃ ۲۰۔ مسائل وردت من مکۃ

۲۱۔ وصیۃ ۲۲۔ آداب الصوفیۃ

۲۳۔ کتاب السماع ۲۴۔ حدیث السلمی

۲۵۔ سؤالات للدارقطنی عن أحوال المشائخ والرواۃ

۲۶۔ مقامات الأولیائ ۲۷۔ الرد علی أھل الکلام

ان کے علاوہ سلمی کی بعض تصانیف اور بھی تھیں، لیکن وہ ضائع ہوگئیں۔ ان کی ضائع شدہ تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ کتاب الزہد: اس کا تذکرہ خود سلمی نے طبقات الصوفیۃ میں کیا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اُرباب الاَحوال یعنی صوفیہ سے قبل کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے زہاد کا تذکرہ کیا ہے۔ ۳۲؎

۲۔ آداب التغازی: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔

۳۔ الاستشہادات: اس کا تذکرہ ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں کیا ہے۔

۴۔ اُمثال القران: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ (کشف الظنون: ۱/۴۳۶) اور ابن الجوزی نے کیا ہے۔

۵۔ تاریخ اُہل الصفۃ: ابونعیم اصفہانی نے اس کو اپنی کتاب 'حلیۃ الاولیائ' میں پورا نقل کیا ہے اور ہجویری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۔ تاریخ الصوفیۃ: طبقات الصوفیۃ کے علاوہ ایک اور کتاب تھی جو اس سے پہلے لکھی تھی۔ اس کے اقتباسات بعض کتابوں جیسے تاریخ الاسلام للذہبی اور نفحات الانس للجامی میں ملتے ہیں۔

۷۔ جوامع آداب الصوفیۃ

۸۔ محن الصوفیۃ: اس کا تذکرہ ذہبی نے ذوالنون مصری ۳۳؎ کے ضمن میں کیا ہے۔

۹۔ مقامات الاَولیائ: اس کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور ابن عربی نے محاضرات الاَبرار میں کیا ہے۔

۱۰۔ الاخوۃ والاَخوات من الصوفیۃ: اس کتاب کا تذکرہ خطیب بغدادی نے بکیر بن دراج کے ضمن میں کیا ہے۔

۱۱۔ سنن الصوفیۃ: ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وفات

ابوعبدالرحمن السلمی کی وفات اتوار کے دن ۳ر شعبان ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں ہوئی۔ ۳۴؎

ذکر النسوۃ المتعبّدات الصوفیات

تاریخِ تصوف میں سلمی کا ایک معرکہ آرا کام 'ذکر النسوۃ المتعبدات الصوفیات' ہے۔ یہ مختصر سی کتاب دراصل صوفی خواتین کے تذکرے کے لیے مختص ہے۔ اس میں انھوں نے اسّی (۸۰) صوفی خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ خاص صوفی خواتین کے تذکرے پر یہ کتاب پورے اسلامی علمی ورثہ کی واحد دست یاب کتاب ہے۔ شاعرات کے تذکرے پر ابوالفرج اصفہانی کی کتاب تو ملتی ہے، لیکن اور کسی موضوع پر صرف خواتین کے بارے میں کوئی مستقل تصنیف نہیں ملتی۔ سلمی نے اس کے علاوہ ایک اور کتاب بھی لکھی تھی، جس کا نام 'الاخوۃ والأخوات من الصوفیۃ' تھا، لیکن یہ کتاب ضائع ہو گئی۔ ذکر النسوۃ المتعبّدات الصوفیات اگر چہ محققین کے سامنے ہمیشہ رہی اور تاریخ کے پورے دورانیہ میں اس کے حوالے ملتے رہے ہیں، لیکن عوام کے درمیان اس کا ذکر زیادہ نہیں رہا۔ اس کتاب کا واحد دست یاب مخطوطہ جامعۃ الملک محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض (سعودی عرب) کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۷۴۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی کتابت کم و بیش ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ اس نسخے کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر محمود محمد الطناحی نے مفید حواشی کے ساتھ اس کو شائع کیا تھا۔ اس کے بعد مصطفی عبدالقادر عطا نے طبقات الصوفیۃ کے ساتھ شامل کر کے اس کو دوبارہ شائع کر دیا ہے۔

حواشی ومراجع:

۱۔ شمس الدین الذھبی، سیر اعلام النبلائ، مؤسسۃ الرسالۃ، بدون سنۃ: ۱۷/۲۴۸

۲۔ عبد الرحمن الجامی، نفحات الانس، تحقیق: محمود عابدی، طبع اصفہان، ص ۳۱۷

۳۔ ابوعبدالرحمن السلمی، ذکر النسوۃ المتعبدات الصوفیات، تحقیق: ڈاکٹر محمود محمد الطناحی، مکتبہ الخانجی القاہرۃ، ۱۹۹۳ئ، ص ۳۴

۴۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۲۴۹

۵۔ حوالۂ سابق: ۱۲/۲۴۷

۶؎ نفحات الانس، ص ۳۱۷

۷؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/۲۱۷

۸؎ خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، تحقیق: د۔ بشار العواد: ۱۳/۱۲۰

۹؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/ ۲۴۷

۱۰؎ تاریخ بغداد: ۲۴۲/

۱۱؎ ابو عبدالرحمن السلمی، طبقات الصوفیۃ، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ۲۰۰۳ئ، طبع دوم، مقدمہ، ۱۹۔ ۲۴

۱۲؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/ ۲۴۹

۱۳؎ ابونعیم الاصفہانی، حلیۃ الاولیائ، دار الفکر بیروت، بدون سنۃ: ۲/ ۲۵

۱۴؎ تاریخ بغداد: ۳/ ۴۳

۱۵؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/ ۲۴۸

۱۶؎ شمس الدین الذھبی، تاریخ الاسلام، تحقیق: ڈاکٹر عمر عبدالسلام التدمری، ۱۹۹۰، طبع دوم: ۲۸/ ۳۰۵

۱۷؎ ابن الجوزی، المنتظم: ۸/ ۶

۱۸؎ ابن العماد، شذرات الذھب، دار المسیر ۃ بیروت، ۱۹۷۹ئ، طبع دوم: ۳/ ۱۹۶

۱۹؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/ ۲۵۰ ۲۰؎ حوالہ سابق: ۱۷/ ۲۵۲

۲۱؎ حوالہ سابق: ۱۷/ ۲۵۵ ۲۲؎ حوالہ سابق

۲۳؎ تاریخ بغداد: ۲/ ۲۴۸ ۲۴؎ طبقات الشافعیۃ: ۳/ ۶۱

۲۵؎ تاریخ بغداد: ۷/ ۴۳ ۲۶؎ سیر اعلام النبلائ: ۲۷/ ۲۴۹

۲۷؎ تاریخ الاسلام: ۲۸/ ۳۰۵ ۲۸؎ سیر اعلام النبلاء: ۱۷/ ۲۴۷

۲۹؎ تاریخ الاسلام: ۲۸/ ۳۰۵ ۳۰؎ شذرات الذھب: ۳/ ۱۹۶

۳۱؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۷/ ۲۴۸ ۳۲؎ طبقات الصوفیۃ، ص ۳

۳۳؎ سیر اعلام النبلائ: ۱۱/ ۵۳۴ ۳۴؎ تاریخ بغداد: ۳/ ۴۴

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

اسلامی فلاحی ریاست — محمد وقاص خاں

ناشر: محنت پبلی کیشنز، جی ٹی روڈ، واہ کینٹ، پنجاب (پاکستان)، ۲۰۱۴ئ، صفحات: ۲۲۴، قیمت درج نہیں

موجودہ زمانے میں اسلام کی تصویر مسخ کرنے کی جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذریعے اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کی کوشش کو 'سیاسی اسلام' کا نام دیا گیا، پھر جبر و اکراہ کے ذریعے اس میں رکاوٹیں پیدا کر کے یہ شور وغوغا کیا گیا کہ سیاسی اسلام ناکام ہوگیا ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ سیاست وریاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو اصل مآخذ کی روشنی میں محکم دلائل کے ساتھ واضح کیا جائے، تاکہ عام لوگوں کو حقیقت کا علم ہوسکے اور اس سلسلے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔ اس موضوع پر اگرچہ ماضی قریب میں قابل قدر لٹریچر تیار ہوا ہے، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ جدید ذہن کو سامنے رکھ کر اختصار کے ساتھ آسان زبان میں اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا جائے۔ زیر نظر کتاب کی صورت میں اس ضرورت کی بہ خوبی تکمیل ہوئی ہے۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں اسلامی ریاست کے بارے میں اصولی مباحث ہیں، مثلاً اسلامی اور غیر اسلامی ریاست کا فرق، اسلامی ریاست کا مقصدِ وجود اور امتیازی خصوصیات، اس کا فلاحی تصور، اعضائے ریاست یعنی مقنّنہ، منتظمہ اور عدلیہ کا باہمی تعلق، نظام، سیاست اور قانون سازی وغیرہ۔ باب دوم میں آٹھ فصلوں کے تحت تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا نظامِ معیشت اور نظامِ تعلیم کیسا ہوگا؟ خواتین کا کیا کردار ہوگا؟ غیر مسلموں سے تعلق کی کیا نوعیت ہوگی؟ ذرائع ابلاغ، جہاد فی سبیل اللہ، امور خارجہ اور بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں کیا پالیسی ہوگی؟ باب سوم میں مصنف نے جاہلی تہذیب سے اسلامی تہذیب کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے حکمت کے ساتھ پیش قدمی کرنی

چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے قرآن میں مذکور بعض نمونوں (MODELS) کی طرف اشارے کیے ہیں۔

فاضل مصنف نے شعبۂ سیاسیات، پشاور یونی ورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ اس لیے ان کی نظر میں جدید علم سیاست کے مباحث بھی ہیں۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے جملہ پہلوؤں پر معروضی انداز اور عصری اسلوب میں عمدہ بحث کی ہے۔ اس سے امید ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو عصری پس منظر میں اسلامی تصور ریاست کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

مصنف کے پیش نظر موضوع سے متعلق بنیادی اور ثانوی دونوں مراجع رہے ہیں، البتہ بہت سے مقامات پر احادیث و آثار ناقص حوالوں کے ساتھ یا بلا حوالہ مذکور ہیں۔ آخر میں کتابیات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست اوشا سانیال

(اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ان کی تحریک) مترجم: ڈاکٹر وارث مظہری

ناشر: گلوبل میڈیا پبلی کیشنز، E-42، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی، ۲۰۱۳ئ، صفحات: ۴۰۴، قیمت -/۳۵۰ روپے

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ (۱۸۵۶-۱۹۲۱ئ) برصغیر کے ان علماء میں سے ہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے اور معاشرہ پر ان کی فکر کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ان کے معتقدین و منتسبین نے اپنے لیے 'اہل السنۃ والجماعۃ' کی اصطلاح اختیار کی۔ نبی کی نورانیت اور اولیاء اور پیروں سے توسّل کے تصورات اور اولیاء کی قبروں اور مزارات پر ہونے والے عرس اور نبی ﷺ کے لیے مخصوص ہیئت کے ساتھ درود و سلام جیسے مذہبی اعمال ان کی شناخت ہیں۔ فاضل بریلوی نے ان موضوعات کو اپنی تحریروں اور فتاویٰ میں بڑے شدّ و مد سے اٹھایا، اس لیے وہ اس طبقے کے پیشوا بن گئے۔ ان کی شخصیت اور خدمات پر متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، لیکن وہ افراط یا تفریط کا شکار ہیں۔ زیر نظر کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں بڑے معروضی انداز میں غیر جانب داری کے ساتھ

مولانا بریلوی اور ان کی تحریک کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب نو (۹) ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں مصنفہ نے اٹھارہویں صدی میں برصغیر ہند میں سیاست اور مذہب کا مطالعہ پیش کیا ہے اور ان کی نمائندہ شخصیات کے افکار پر روشنی ڈالی ہے۔ باب دوم میں مولانا احمد رضا خاں اور ان کے اسلاف، پیر و مرشد، تعلیم اور مذہبی فکر کی تشکیل کے عوامل کا جائزہ لیا ہے۔ باب سوم و چہارم میں مارہرہ کے سادات برکاتیہ کا، جن سے مولانا کا ارادت کا تعلق تھا، تعارف کرایا ہے، نیز اہل سنت کی اہل دیوبند اور اہل حدیث سے الگ تشخص کے عوامل بیان کیے ہیں۔ اگلے ابواب میں مولانا احمد رضا خاں اور دیگر علمائے اہل سنت کے تصورِ سنت، دیوبندیوں اور وہابیوں سے متعلق ان کے نظریات، خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں اور ہجرت پھر پاکستان کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر سے مفصل بحث کی ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ شمالی ہند میں علمائے اہل سنت کے درمیان جو بحثیں جاری تھیں وہ سیاست سے تو تعلق نہیں رکھتی تھیں، لیکن مسلم معاشرہ میں ان کی جڑیں بہت گہری تھیں۔

یہ کتاب اصلاً انگریزی میں تحریر کردہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ مصنفہ نے مولانا احمد رضا خاں اور ان کی تحریک کو اصل مصادر و مآخذ سے سمجھنے کے لیے امریکہ سے پاک و ہند کے مختلف شہروں کا سفر کیا، متعلقہ لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، پیچیدہ عبارتوں کو ماہرین کی مدد سے حل کیا اور بڑی محنت اور سلیقہ سے علمی انداز میں اپنے نتائج تحقیق کو مرتب کیا۔ یہ کتاب مغربی انداز تحقیق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ ڈاکٹر وارث مظہری، استاذ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اوپن یونی ورسٹی حیدرآباد مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی مہارت سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ (م-ر)

شبلی شناسی کے سو سال ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ناشر: ادبی دائرہ، رحمت نگر، اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ئ، صفحات: ۲۶۰، قیمت -/۳۵۰ روپے

علامہ شبلی نعمانی کی وفات (۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ئ) کو ایک صدی ہونے والی ہے،

لیکن ان کے افکار کی تابانی میں اب تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ان کی تحریروں کی عظمت کا اعتراف ان کی زندگی ہی میں کیا جانے لگا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی شخصیت اور افکار کے مطالعہ و تجزیہ پر مقالات اور کتابیں تصنیف کی گئیں، ملک و بیرونِ ملک کی یونی ورسیٹیوں میں ان پر تحقیقی مقالے لکھے گئے، سمینار اور یوم شبلی کے نام سے تقریبات منعقد کی گئیں، یادگاری خطبات دیے گئے اور مجلّات کے خصوصی شمارے شائع کیے گئے، وغیرہ۔ یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کے تعارف اور ان کی فکر کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے قلم سے متعدد وقیع تصانیف شائع ہو چکی ہیں، مثلاً متعلقات شبلی، مکتوبات شبلی، علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط، شبلی سخن وروں کی نظر میں، آثار شبلی، کتابیات شبلی۔ ان کتابوں کی بدولت انہیں علمی و ادبی حلقوں میں ماہر شبلیات کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ زیر نظر کتاب اس سیریز کی ایک نئی کڑی ہے۔

ملک کے بعض علمی و ادبی مجلّات نے مختلف اوقات میں علامہ شبلی نعمانی پر خصوصی شمارے شائع کیے تھے۔ اس کتاب میں انہی کا مفصل مطالعہ و جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ ان مجلّات میں شامل تمام مضامین و مقالات کے مشتملات کا تعارف ہوجائے اور مقالہ نگاروں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا تذکرہ انہی کے الفاظ میں ہوجائے۔ ابتدا میں مصنف نے ایک صدی پر محیط شبلی شناسی کی کوششوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ماہ نامہ لسان الصدق کے دست یاب شماروں کا تذکرۂ شبلی کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔

امید ہے، شبلی شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر الیاس الاعظمی کا یہ کام قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور علامہ شبلی پر تحقیق کرنے والوں کو اس سے بڑی مدد ملے گی۔

(م-ر)

اسلام اور عصر جدید (خصوصی شمارہ) مدیر: پروفیسر اختر الواسع

ناشر: ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۔۲۵
جلد: ۴۵، شمارہ: ۱، جنوری ۔مارچ ۲۰۱۳ئ، صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۱۰۰ روپے

سہ ماہی اسلام اور عصر جدید نئی دہلی کا زیر نظر خصوصی شمارہ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے چند مقالات پر مشتمل ہے، جن میں انھوں نے قرآن مجید کے انگریزی تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ پروفیسر قدوائی کی انگریزی تراجمِ قرآن پر گہری نظر ہے۔ وہ ۱۹۸۵ء سے اب تک ستّر (۷۰) سے زائد انگریزی تراجم قرآن پر انگریزی کے سہ ماہی مجلہ مسلم ورلڈ بک ریویو (U K) اور دیگر مجلّات میں تبصرے کر چکے ہیں۔ انھوں نے ۱۶۴۹ء سے ۲۰۰۲ء تک شائع ہوئے والے انگریزی تراجم قرآن کی کتابیات تیار کی ہے، جو ۲۰۰۷ء میں وزارت شئون اسلامیہ سعودی عرب سے انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کی ایک دوسری کتاب Translating the Untranslatable کے نام سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی ہے، جس میں ساٹھ (۶۰) انگریزی تراجم قرآن کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس خصوصی شمارہ میں شامل مقالات میں (جو پہلے اردو کے تحقیقی مجلّات بالخصوص تحقیقات اسلامی میں شائع ہو چکے تھے)، اس موضوع پر ڈاکٹر موصوف کی جملہ تحقیقات کا خلاصہ آ گیا ہے۔

پہلا مقالہ جو اڑسٹھ (۶۸) صفحات پر مشتمل ہے، 'قرآن مجید کے انگریزی تراجم: ایک تنقیدی جائزہ' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مستشرقین، قادیانیوں، شیعہ اور سنّی مسلمانوں کے ذریعے کیے جانے والے انگریزی تراجم قرآن کا تعارف کرایا گیا ہے، مترجمین کے فکری رجحانات پر روشنی ڈالی گئی ہے، تراجم کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی گئی ہے اور آخر میں مطلوبہ معیاری ترجمۂ قرآن کے خصائص بیان کیے گئے ہیں۔ دیگر مقالات میں بھی انگریزی تراجمِ قرآن پر مختلف پہلوؤں سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ایک مقالہ میں سیرتِ طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف کا تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں زمانی ترتیب سے ۷۹ر تراجمِ قرآن کی فہرست بھی شامل ہے۔

انگریزی تراجم قرآن کے تعارف وتجزیہ پر مشتمل یہ بہت قیمتی تحریریں ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ انھیں کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے، تاکہ ان سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہو۔ (م۔ر)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۳)

☆ انسانی حقوق اور خدمت خلق کے موضوع پر مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند وصدر ادارۂ تحقیق کی متعدد تصانیف ہیں، جن کو قبول عام حاصل ہے۔ ایک کتابچہ 'انسانوں کی خدمت اسلام کی نظر میں' عرصہ سے شائع ہورہا ہے۔ نظر ثانی کے بعد اب اس کا نیا ایڈیشن مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ صفحات: ۲۴، قیمت -/

☆ گزشتہ لوک سبھا انتخابات کے بعد ملکی صورت حال پر مولانا عمری کا ایک اہم خطاب مرکز جماعت اسلامی ہند کے کیمپس میں ہوا تھا، جو بعد میں مختلف مجلّات میں شائع ہوا تھا۔ اس موقع پر ماہ نامہ زندگی نو کی طرف سے مولانا سے ایک انٹرویو بھی لیا گیا تھا جو اس کے خصوصی شمارہ (اگست ۲۰۱۴ئ) میں شائع ہوا تھا۔ ان دونوں تحریروں کا مجموعہ گجراتی زبان میں اسلامی ساہتیہ پرکاشن احمد آباد سے شائع ہوگیا ہے۔ صفحات: ۱۶، قیمت -/۱۰ روپے

☆ رکن ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی نے ادارہ کے منصوبہ کے تحت 'احیائے اسلام - مفہوم، مسائل اور تقاضے' کے نام سے ایک کتاب تیار کی تھی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے اس کی اشاعت ہوگئی ہے۔ صفحات: ۱۴۴، قیمت -/۸۵ روپے

☆ ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ کے زیر اہتمام 'سماجی برائیوں کا انسداد اور قرآنی تعلیمات' کے مرکزی عنوان پر دو روزہ سمینار ۲۷-۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ کارکنانِ ادارہ نے اس میں شرکت کی۔ مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'مسلم معاشرہ میں فواحش کے انسداد کی تدابیر - سورۂ النور کی روشنی میں' اور مولانا کمال اختر قاسمی نے 'جنسی استحصال کی روک تھام اور قرآنی تعلیمات' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ سکریٹری ادارہ ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی نے ادارہ علوم القرآن کی طرف سے منعقد ہونے والے مسابقہ مضمون نویسی کے کنوینر کی حیثیت سے اس کی رپورٹ پیش کی۔

☆ ادارہ کے کانفرنس ہال میں ۱۴ ستمبر ۲۰۱۴ء کو ایک علمی نشست کا انعقاد کیا گیا، جس میں پروفیسر سید مسعود احمد، شعبۂ بایوکیمسٹری، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی کتاب Uniqueness of The Noble Quran پر ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی کی صدارت میں مذاکرہ ہوا۔ اس میں ڈاکٹر شارق عقیل، پروفیسر محمد ادریس اور دیگر اصحاب علم نے اظہارِ خیال کیا۔ مؤلف کتاب نے بھی کتاب کے مقصد تالیف اور مشتملات کا تعارف کرایا۔ آخر میں سکریٹری ادارہ نے کلماتِ تشکر پیش کیے۔ یونی ورسٹی سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ کی قابل لحاظ تعداد پروگرام میں شریک ہوئی۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۳، ۲۰۱۴ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
ہم جنسیت ۔فطرت سے بغاوت	محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۵۔۲۴
اسپرم بینک ۔اسلامی نقطۂ نظر	،،	۲	۱۳۳۔۱۵۲
اسلامی تاریخ میں ہجرتِ مدینہ کی اہمیت	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱۔۲۷۲
شاہ ولی اللہؒ اور تجدیدِ دین	،،	۴	۳۸۹۔۳۹۴
تحقیق وتنقید			
ڈارون کا نظریۂ ارتقائ۔ ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۱	۲۵۔۴۶
حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت؟	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱	۴۷۔۶۰
سابقہ شریعتوں سے استدلال اور امام بخاری کا موقف	جناب عبدالغفار	۲	۱۵۳۔۱۶۶
مکی عہد میں تجارتی معاہدوں کی قریشی روایت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳	۲۷۳۔۲۹۶
فتاویٰ عالم گیری۔المسوّیٰ کا ایک بنیادی ماخذ	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۳	۲۹۷۔۳۱۱
سیرت خاتم النبیین ۔مرزا بشیر احمد قادیانی کی کتاب کا مطالعہ	ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی	۴	۳۹۵۔۴۱۲
ثمرات الحیاۃ ۔تصوف کے موضوع پر ایک اہم تصنیف	ڈاکٹر محمد امین عامر	۴	۴۱۳۔۴۲۶
بحث ونظر			
حدِّ سرقہ اور اس کی شرائط	حافظ مسعود قاسم	۱	۶۱۔۷۷
حکم رانوں کا عدالتی استثنائ	جناب مقبول حسن	۲	۱۶۷۔۱۸۲
اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقائ	پروفیسر محمد انس حسان	۳	۳۱۳۔۳۳۰
قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت	محترمہ نشاء حلیم	۴	۴۲۷۔۴۴۰
کیا رسول اللہ ﷺ تحدیدِ ازواج کے پابند تھے؟	ڈاکٹر حافظ افتخار احمد	۴	۴۴۱۔۴۶۰
یہودیت میں تصوراتِ امن	جناب تنویر قاسم	۴	۴۶۱۔۴۸۲
سیر وسوانح			
مولانا محمد حنیف ندوی اور ان کی تفسیر سراج البیان	ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس	۱	۷۹۔۸۸
مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور مجلس احرار اسلام	ڈاکٹر محمد عرفان قاسمی	۲	۱۸۳۔۲۰۲
شیخ محمد الغزالی اور ان کی تصنیف فقہ السیرۃ ۔ایک تعارف	ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی	۳	۳۳۱۔۳۴۴

ابوعبدالرحمن السلمی۔ حیات وخدمات	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی	۴	۴۸۳۔۴۹۴

ترجمہ وتلخیص

ترکستان میں اسلامی عظمت کے نقوش	مترجم: پروفیسر سید احتشام احمد ندوی	۱	۸۹۔۱۰۲
امام راغب اصفہانی اور مولانا فراہی کے اصول تاویل کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر محمد یوسف الشربجی مترجم: مولانا ابوسعد اعظمی	۲	۲۰۳۔۲۲۴
دور جدید کی چند مفسّر خواتین	ڈاکٹر عفاف عبدالغفور حمید مترجمہ: محترمہ ندیم سحر عنبرین	۳	۳۴۵۔۳۷۰

نقد واستدراک

کتب سماوی میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق پیشین گوئیوں پر ایک اہم تصنیف	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱	۱۰۳۔۱۰۶
غیبت۔بدکاری سے زیادہ سنگین جرم؟	ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف	۲	۲۲۵۔۲۲۹

رپورٹ سمینار

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۲	۲۳۱۔۲۴۰

تعارف وتبصرہ

موسوعہ مرویات علی بن ابی طالب	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱	۱۰۷۔۱۰۸
سیرت نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۰۸۔۱۰۹
جدید فقہی مسائل اور فقہائے ہندوپاک کے اجتہادات	،،	۱	۱۱۰۔۱۱۲
اسلامی علوم کا ارتقائی۔عہد سلطنت کے ہندوستان میں	،،	۱	۱۱۲۔۱۱۳
آثار شبلی	،،	۱	۱۱۳۔۱۱۵
خواب کی حقیقت	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی	۱	۱۱۵۔۱۱۶
اردو رباعیات میں ہندوستانی عناصر	ڈاکٹر محمد شہاب الدین	۱	۱۱۶۔۱۱۸
توضیح اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۱۔۲۴۳
جنائز (میت کے جامع اصول)	،،	۲	۲۴۳۔۲۴۴
افکار مجیب	،،	۲	۲۴۴۔۲۴۵
عرب وہند کی علمی وادبی خدمات	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲	۲۴۶۔×
نسائیات (چند فکری ونظری مباحث)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۱۔۳۷۲
دارالمصنفین کی عربی خدمات	،،	۳	۳۷۳۔۳۷۵
اسلامی فلاحی ریاست	،،	۴	۴۹۵۔۴۹۶
برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام	،،	۴	۴۹۶۔۴۹۷
شبلی شناسی کے سو سال	،،	۴	۴۹۷۔۴۹۸
اسلام اور عصر جدید (خصوصی شمارہ)	،،	۴	۴۹۹۔×

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۳، ۲۰۱۴ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، صفدر سلطان	شیخ محمد الغزالی اوران کی تصنیف فقہ السیرۃ۔ایک تعارف	۳	۳۳۱۔۳۴۴
اعظمی، ابوسعد	امام راغب اصفہانی اور مولانا فراہی کے اصول تاویل۔۔۔(ترجمہ)	۲	۲۰۳۔۲۲۴
افتخار احمد، حافظ	کیا رسول اللہ ﷺ تحدیدِ ازواج کے پابند تھے؟	۴	۴۴۱۔۴۶۰
الہ آبادی، محمود حسن	سیرت خاتم النبیین۔مرزا بشیر احمد قادیانی کی کتاب کا مطالعہ	۴	۳۹۵۔۴۱۲
بٹ، علی محمد	ڈارون کا نظریۂ ارتقائ۔ایک تنقیدی جائزہ	۱	۲۵۔۴۶
تجاروی، محمد مشتاق	ابوعبدالرحمن السلمی۔حیات و خدمات	۴	۴۸۳۔۴۹۴
،، ،،	خواب کی حقیقت (تبصرہ)	۱	۱۱۵۔۱۱۶
تنویر قاسم	یہودیت میں تصوراتِ امن	۴	۴۶۱۔۴۸۲
حسان، محمد انس	اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقائ	۳	۳۱۳۔۳۳۰
حمید، عفاف عبدالغفور	دورجدید کی چند مفسّر خواتین	۳	۳۴۵۔۳۷۰
حنیف، سراج الاسلام	غیبت۔بدکاری سے زیادہ سنگین جرم؟	۲	۲۲۵۔۲۲۹
الشربجی، محمد یوسف	امام راغب اصفہانی اور مولانا فراہی کے اصول تاویل۔۔۔	۲	۲۰۳۔۲۲۴
شمس، ہمایوں عباس	مولانا محمد حنیف ندوی اور ان کی تفسیر سراج البیان	۱	۷۹۔۸۸
شہاب الدین محمد	اردو رباعیات میں ہندوستانی عناصر (تبصرہ)	۱	۱۱۶۔۱۱۸
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت؟	۱	۴۷۔۶۰
،، ،،	مکی عہد میں تجارتی معاہدوں کی قریشی روایت	۳	۲۷۳۔۲۹۶
عامر، محمد امین	ثمرات الحیاۃ۔تصوف کے موضوع پر ایک اہم تصنیف	۴	۴۱۳۔۴۲۶
عبدالغفار	سابقہ شریعتوں سے استدلال اور امام بخاری کا موقف	۲	۱۵۳۔۱۶۶
عمری، سید جلال الدین	اسلامی تاریخ میں ہجرتِ مدینہ کی اہمیت	۳	۲۶۱۔۲۷۲
،، ،،	شاہ ولی اللہؒ اور تجدید دین	۴	۳۸۹۔۳۹۴
عنبرین، ندیم سحر	دورجدید کی چند مفسّر خواتین (ترجمہ)	۳	۳۴۵۔۳۷۰

فلاحی، ضیاء الدین ملک	فتاویٰ عالم گیری۔المسوّیٰ کا ایک بنیادی ماخذ	۳	۲۹۷۔۳۱۱
،،	تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار (رپوٹ سمینار)	۲	۲۳۱۔۲۴۰
قاسمی، محمد عرفان	مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور مجلس احرار اسلام	۲	۱۸۳۔۲۰۲
کریمی، محمد جرجیس	کتب سماوی میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق پیشین گوئیوں ۔۔۔	۱	۱۰۳۔۱۰۶
،،	موسوعۃ مرویات علی بن ابی طالبؓ (تبصرہ)	۱	۱۰۷۔۱۰۸
،،	عرب وہند کی علمی وادبی خدمات (،،)	۲	۲۴۶۔×
مسعود قاسم، حافظ	حدِّ سرقہ اور اس کی شرائط	۱	۶۱۔۷۷
مقبول حسن	حکم رانوں کا عدالتی استثنائ	۲	۱۶۷۔۱۸۲
ندوی، احتشام احمد	ترکستان میں اسلامی عظمت کے نقوش (ترجمہ)	۱	۸۹۔۱۰۲
ندوی، محمد رضی الاسلام	ہم جنسیت۔فطرت سے بغاوت	۱	۵۔۲۴
،،	اسپرم بینک۔تصور، مسائل اور اسلامی نقطۂ نظر	۲	۱۳۳۔۲۵۲
،،	سیرت نبوی پر اعتراضات کا جائزہ (تبصرہ)	۱	۱۰۸۔۱۰۹
،،	جدید فقہی مسائل اور فقہائے ہند وپاک کے اجتہادات (،،)	۱	۱۱۰۔۱۱۲
،،	اسلامی علوم کا ارتقائ۔عہد سلطنت کے ہندوستان میں (،،)	۱	۱۱۳۔۱۱۳
،،	آثارِ شبلی (،،)	۱	۱۱۳۔۱۱۵
،،	توضیحی اشاریہ تفسیر تدبر قرآن (،،)	۲	۲۴۱۔۲۴۳
،،	جنائز (میت کے جامع مسائل) (،،)	۲	۲۴۳۔۲۴۴
،،	افکارِ مجیب (،،)	۲	۲۴۴۔۲۴۵
،،	نسائیات (چند فکری ونظری مباحث) (،،)	۳	۳۷۱۔۳۷۲
،،	دارالمصنفین کی عربی خدمات (،،)	۳	۳۷۳۔۳۷۵
،،	اسلامی فلاحی ریاست (،،)	۴	۴۹۵۔۴۹۶
،،	برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام (،،)	۴	۴۹۶۔۴۹۷
،،	شبلی شناسی کے سو سال (،،)	۴	۴۹۷۔۴۹۸
،،	اسلام اور عصر جدید (خصوصی شمارہ) (،،)	۴	۴۹۹۔×
نشاء حلیم	قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت	۴	۴۲۷۔۴۴۰

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 33 No.4

October-December 2014

Editor
Syed Jalaluddin Umari

Asstt. Editor
Mohammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur) ‹ P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Shah Waliullah and the Revival of Islam**
   Syed Jalaluddin Umari
   5

2. **Seerat Khatim al-Nabieen- A Study of Mirza Basheer Ahmad Qadiyani's book on Seerah**
   Dr. Mahmood Hasan Allahabadi **11**

3. **Thamarat al-Hayat - An Important Work on Sufism**
   Dr. Muhammad Ameen Aamir **29**

4. **The Nature of Coherence and Order in the Holy Qura'n**
   Ms. Nisha Haleem **43**

5. **Was the Prophet (pbuh) Bound to Limitation of Wives?**
   Dr. Hafiz Iftikhar Ahmad **57**

6. **The Concept of Peace in Judaism**
   Mr. Tanveer Qasim 77

7. **Abu Abdur Rahman al Sulami: Life and Works**
   Dr. Mohammad Mushtak Tijarvi **99**

8. **Book Reviews** **111**

9. **Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** **116**

10. **Annual Index of Articles and Authors, Tahqeeqat-e- Islami,Vol:33,2014** **117**

Abstract of the Articles

Shah Waliullah and the Revival of Islam

Syed Jalaluddin Umari
Ameer Jamaat-e-Islami Hind
& President Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

Shah Waliullah Muhaddith Dehlaw i is one of the revivalists of the Ummah who have produced revivalist works in the various branches of Islamic knowledge. Islam gives a complete system for success in this world and in the hereafter. Therein lie the provisions for both worldly needs and spiritual gratification. In his works Shah Waliullah has presented this fact with utmost dexterity.

In Hujjatullah a l-Balighah, Shah Waliullah has discussed 'irtifaqat', saying that man has some worldly needs. Food, clothes and housing come in this category. Then he lives with his family. For this he makes economic struggle. It is the duty of the State to fulfil his basic needs. And for this the establishment of a State is necessary. Shah Waliullah has discussed these subjects in great detail. He convinces the readers for Iqamat-e-Deen (establishment of Deen) and for Elaye Kalimatillah (holding superior the Word of Allah) in all spheres of life. This is his great academic contribution.

In his book Izalatul Khafa, Shah Waliullah has explained the concept of *khilafat* (caliphate) and portrayed a picture of Islamic government. He has rejected the views of those who do not accept the continuity of *Khilafat-e-Rashida* (Rightly Guided Caliphate), and provided the evidence of the caliphate of Rightly Guided Caliphs with reference to the Qura'n and hadith. Thus how an Islamic government should be and how it can be run within Shari'ah limits are evident.

Seerat Khatim al-Nabieen: A Study of Mirza Basheer Ahmad Qadiyani's book on Seerah

Dr. Mahmood Hasan Allahabadi

B-104, Badr Manzil, Patel Nagar, Bhewandi (M.S.)

In the 20th century some books on the Prophet's Seerah were published in the Urdu language; they hold a distinguished position in the international Seerah literature. During this period, a Seerah book by a Qadiyani (Mirza Basheer Ahmad) was also published; it is entitled as Seerat Khatim al-Nabieen. Its three parts were published but it could not be completed. There is description of the events up till 7Hijri in these three parts of the book. However, a sketch of the proposed subjects of the remaining parts has been mentioned in a tabular form.

The author has benefitted from all the ancient books of history and Seerah. Save and except the explanation of the term *'Khatim al-Nabieen'*, there is no other deviation from the Islamic faith in the entire book. In view of its discussion, this is a good book on Seerah. However, the controversy is visible that the author being a Qadiayni does not believe in the Messenger of Allah (peace and blessings of Allah be to him) as *Khatim al-Nabieen* (the Last Messenger) but entitles his book on the Seerah as *"Khatim al-Nabieen"*.

Besides introducing the contents of the book, this article also analyses them.

Thamarat al-Hayat - An Important Work on Sufism

Dr. Muhammad Ameen Aamir

101,Peel khana,IInd Lane,Howrah(W.B)

A'quil Khan Razi is a name worth mentioning among the scholars associated with the court of Mughal Emperor Aurangzeb (d. 1707 C.E.). Thamarat al-Hayat is an important book from among his books on Sufism in the Persian language. Its many manuscripts are found in the various

libraries. This article presents a study of the manuscript preserved in the Museum Library of Asiatic Society, Kolkata. This book was written in 1053 H. / 1643 C.E. The writer has collected therein the teachings and testaments of his teacher and guide Hazrat Burhanuddin Raz-e-Ilahi (d. 1083 H. / 1672 C.E.). He has also mentioned feasibly the teachings of other Sufis as well as Qura'nic ayaat, Prophetic traditions and life-briefs of Sufis. This manuscript consists of 71 pages. It discusses the various Islamic commandments and exemplary happenings related to the learned, keeping in view the cause of Islamic preaching and reformation of the Muslim society. With this description, the Islamic, academic and literary importance of the book can be gauged.

The Nature of Coherence and Order in the Holy Qura'n

Ms.NishaHaleem
Research Scholar, Dept. of Theology (Sunni)
Aligarh Muslim University, Aligarh
tashiya15@gmail.com

The Holy Qura'n is a wonder and will remain so till the end of the world. There are many aspects of its wonder. One of them is *N a z m*. Nazm means the Coherence and order of the Qura'nic contents and their relationship with one another. There are three viewpoints in regard to the order in the Holy Qura'n. One group rejects it totally. The second group accepts it but has its very limited concept; it is contented with only explaining the inter-ayaat order and relationship. While to the third group, the entire Qura'n is a well ordered and organised Word, from the beginning to the end; all its surahs and ayaahs are inter-related with one another.

Basically there are two kinds of the order in the Holy Qura'n. One is the unity or oneness of subject. That is, the entire Qura'n covers one single subject and every surah has one central theme. The other is order and relation between ayaahs and surahs. This order and relation can be explicit or hidden, which can be realised after deep thinking and contemplation.

This article deals with all these aspects of the Coherence and order in the Holy Qura'n and explains them with the help of examples.

Was the Prophet (pbuh) Bound to Limitation of Wives?

Dr. Hafiz Iftikhar Ahmad
Chairman Dept. of Islamic Studies, Bahawalpur (Pakistan)
diftikharahmad@gmail.com

This research article deals with the life of Dr. Muhammad Hameedullah (1905-2002) and his achievements in the field of Islamic Studies. It also presents a list of his important books on various subjects. The writer highlights his special point of view in the Seerah literature like his special term about wives of the Prophet (pbuh) as honorary and general or permanent wives. He presents his views critically and analytically in the light of the Qura'n and Sunnah, and points out his view on the interpretation of Verse 3 of Surah al-Nisa and Verses 28 to 30 of Surah al-Ahzab.

In short, as a result of our study of this article, we can say that the title of this article of Dr. Muhammad Hameedullah is not suitable and appropriate. Verse 3 of Surah al-Nisa addresses the Ummah (on limitation of wives up to four), and not the Prophet (pbuh) but he does not mention this distinction. Dr. Muhammad Hameedullah says that when Surah al-Nisa was revealed, the number of Prophet's wives were nine. This is not correct; at that time the number of Prophet's wives was just four. And it was in the 5th year of Hijra. There is a no link between Verse 3 of Surah al-Nisa and Verses 28, 29 and 30 of Surah al-Ahzab. Dr. Muhammad Hameedullah talks about revelation (wahi) (see p. 6 of his article last paragraph); no one has ever talked of this kind of wahi during the last fourteen centuries and 35 years in the history of Islam. Dr. Muhammad Hameedullah uses the term of permanent and honorary wives for the Prophet's wives. This term has never been used for them throughout the history of Islam. Dr. Muhammad Hameedullah mixes up the subject of Verse 3 of Surah al-Nisa with Verses 28 to 30 of Surah al-Ahzab. We highlight this misunderstanding and misinterpretation in this article respectably. And all this has been done in the light of the Holy Qura'n, Hadith of the Prophet (pbuh) and the history of Islam just for the pleasure of Allah the Almighty and the service of Islam.

The Concept of Peace in Judaism

Mr. Tanveer Qasim
Lecturer Department of Islamic Studies
University of Engineering and Technology, Lahore
tanveerqasim@yahoo.com

Peace holds extraordinary importance in the development of civilization. Progress of the planet earth and its economic and civilizational development depends on peace. The dream of economic stability translates into reality only when peace prevails. Judaist scriptures declare peace as important and underline the need to establish it. The teachings related to peace in all spheres of life are there in the various Books of the Old Testament. For instance, human life has been declared as honourable; delivering equity and justice has been taught; truthfulness, sympathy, good conduct and fulfilment of rights have been stressed; oppression and injustice, bribery, short-measuring, undue killings and giving false witness have been prohibited. Likewise, punishments for the various crimes have been prescribed; the law of retaliation (capital punishment) has been declared mandatory; and the system of Qadha (justice) has been established with all its nuances. All this is present in the Old Testament even now though the history of the Jews bears witness that they have always been evading these teachings and putting them under the carpet for their opportunism and mundane powers.

This article presents the teachings related to peace in the various spheres of life with reference to the Old Testament.

Abu Abdur Rahman al Sulami: Life and Works

Dr. Mohammad Mushtak Tijarvi
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
Jamia Millia Islamia, New Delhi - 110 025
muftimushtaq@gmail.com

Abu Abdur Rahman al Sulami (325-413 H. / 937-1021 C.E.) was a famous sufi. He belonged to a sufi family and was

brought up in a religious and educated atmosphere. He received the education of hadith, fiqh and sufism from the scholars of other Muslim countries as well as his own native place Nishapur. Among his teachers is also famous muhaddith (transmitter of Ahadith) Dar Qutni. Likewise, a lot of people got benefited by him. Among his disciples are famous muhaddith Imam Baihaqi, famous sufi Abul Qasim Qushayri and Imam Abul Maali Juwayni. Abu Abdur Rahman al Sulami had deep insight into early Islamic sciences but earned fame in the fields of Tafseer and Sufism. However, hadith critics have criticised him in the field of hadith and declared him as unauthentic. To the credit of al Sulami are many books on Tafseer, Asma al Rijal and Sufism. According to his biographers, the number of his books comes at 100. He wrote a book on female sufis, which has been published.

In this article an account of the life and works of this eminent scholar has been given.

BOOK REVIEWS

1. ***Islami Falahi Riyasat*** (Islamic welfare State) by Mohammad Waqqas Khan; 2014; Pages: 224; Price not mentioned

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

2. ***BartanviHindustanmenAqeedatperMabniIslam*** (Devotional Islam and Politics in British India) by Usha Sanyal; 2013; pages 404, Price IRs.350/-

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

3. ***Shibli Shanasi Ke Sau Sal*** (100 years of Shibli Study) by Dr Mohammad Ilyas Azmi; 2014; pages 260, Price IRs.350/-

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

4. ***Islam Aur Asre Jadeed*** (Islam and Modern Age) Special Issue,Editor:Prof.Akhterul Wasey; Vol:45, No.1, Jan-Mar 2013; pages 128, Price IRs.100/-

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اکیسویں صدی عیسوی میں جہاں سائنسی ایجادات اور تمدنی ترقیات کے نتیجے میں سفر وحضر کی سہولیات پیدا ہوئی ہیں اور انسانی زندگی پُرتعیش ہوئی ہے، وہیں بہت سے ایسے سماجی اور اخلاقی مسائل بھی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن سے دنیا فتنہ وفساد سے بھر گئی ہے۔ نکاح کے بغیر جنسی تعلق، جنسی بے راہ روی وزنا کاری، رحم مادر کا اجرت پر حصول، ہم جنسیت، مصنوعی طریقہ ہائے تولید، اسپرم بینک، رحم مادر میں بچیوں کا قتل، گھریلو تشدد، اولڈ ایج ہوم، پلاسٹک سرجری اور عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال، چند ایسے اہم مسائل ہیں جن سے انسانی معاشرے عالمی سطح پر دوچار ہیں۔

اس کتاب میں ان مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، ان کے اسباب اور اثرات ونتائج کا بھرپور تجزیہ کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

جدید ترین مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کرنے والی ایک تحقیقی کتاب۔

● سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات : 256 ● قیمت: 140.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26971652, 26954341, 26946447(D) Fax: 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81 | Quartely **Tahqeeqat-e-Islami** Aligarh | Mob. 09897655171 Phone: 0571-2902034

October.......2014 | **December............2014**

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیات قرآن	۳۰۰/	۲۲	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/	۲۳	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۴۵/	۲۴	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/	۲۵	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۰۰/	۲۶	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/	۲۷	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/	۲۸	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۸	اسلام کی دعوت	۱۵۰/	۲۹	انفاق فی سبیل اللہ	۲۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/	۳۰	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۲/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۲/
۱۱	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/	۳۲	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۳۵/
۱۲	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/	۳۳	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۸/
۱۳	عورت اور اسلام	۵۰/	۳۴	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۱۴	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/	۳۵	یہ ملک کدھر جارہا ہے؟	۲۰/
۱۵	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/	۳۶	وقت حساب	۱۵/
۱۶	قرآن کا نظام خاندان	۱۸/	۳۷	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچایئے	۱۰/
۱۷	بچے اور اسلام	۱۰/	۳۸	اسلام کا شورائی نظام	
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۱۰/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۵/
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	ہندوستان میں اسلام کی دعوت-اہمیت اور تقاضے	۵/	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۸/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۰/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵